یزید

تاریخ کے آئینہ میں

مصنفہ
علامہ عمر ابوالنصر قدسی

فضل عثمانی پبلیشرز

تقسیم کار
نوری کتب خانہ بازار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

یزید

تاریخ کے آئینہ میں

مصنفہ

علامہ عمر ابوالنصر قدسی

ترجمہ

سید احمد علوی عراقی

نظر ثانی

رضا المصطفیٰ چشتی

تقسیم کار

نوری کتب خانہ بازار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No 080142
★ MAILSI ★

نام کتاب ـــــــ یزید تاریخ کے آئینہ میں

مصنف ـــــــ عمر ابو نصر قدسی

بار اوّل ـــــــ ۱۹۷۹ء

طابع ـــــــ

طباعت ـــــــ آفسٹ

کاغذ ـــــــ اعلیٰ، مجلد

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

ناشر فضل عثمان پبلشرز، لاہور

ـــــ اہتمام ـــــ

سید محمد عثمان پیرزادہ

Masood Faisal Jhandir Library

تقسیم کار

نوری کتب خانہ بازار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱		
۲	مقدمہ و تمہید مترجم	۵
۳	فرقہ یزیدیہ کے حالات	۱۱
۴	مقدمہ مصنف	۱۹
۵	لمحۂ فکر	۳۰
۶	یزید کے ایام طفلی	۳۲
۷	یزید کا دور شباب	۳۶
۸	یزید کا خلافت کے عہدہ پر فائز المرام ہونا	۳۹
۹	ابن زیاد کوفہ میں	۴۷
۱۰	مکہ اور کوفہ کے درمیان	۵۴
۱۱	معرکۂ کربلا	۷۲
۱۲	امام حسینؓ کی شہادت	۷۹
۱۳	ابن زیاد کے پاس	۸۶
۱۴	حکومت کی سیاست میں اس واقعہ کربلا کا اثر	۹۵
۱۵	حجاز کے سیاسی گروہ	۹۷
۱۶	مدینہ کا ہنگامہ	۱۰۴
۱۷	مدینہ میں خون کی ندیاں	۱۰۶
۱۸	مسلم بن عقبہ	۱۱۲
۱۹	حصار مکہ	۱۱۷
۲۰	روم کے سرحد پر	۱۲۴
۲۱	یزید کے لہو لعب کے مشاغل	۱۲۷
۲۲	یزید کی موت	۱۳۰
۲۳	رسول اللہؐ کی ندا	۱۳۴

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید منجانب مترجم

اس کتاب کے مضامین کو ٹھیک طور پر سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم عرب کے اس دور کے حالات سے بھی آگاہی حاصل کریں۔ جو بعد کو بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم کے درمیان اتنے باہمی سنگین اختلاف کا باعث ہے جس نے تاریخ اسلام کے چہرے کو داغدار کردیا۔ اور جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی بہترین قوت عمل برباد ہوئی۔ اور مسلمانوں کو ایسا شدید نقصان پہونچا جس کی تلافی آجتک نہ ہو سکی اور نہ قیامت تک ہوسکیگی۔

بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم کے درمیان پرانی عداوت کے اسباب

بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم کے درمیان عداوت کیونکر پیدا ہوئی اُس کی ابتدائی تاریخ بہت عجیب و غریب ہے اور دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اس عداوت کی بنیاد ۵۰ءء یعنی سن ہجری سے تقریباً چھ سو سال قبل پڑی تھی اور اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابن مُرّہ (قصی بن کلاب) جو قریش کے ایک قبیلہ کے سردار تھے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کعبہ کی تولیت کی باگ دوڑ قریش کے ہی ایک دوسرے قبیلہ بنی خزاعہ کے ہاتھ میں ہے اور اس منصب کا اعزاز اتنا بڑا ہے کہ اگر یہ اسکے خاندان کو ملجائے تو انکو بھی ایک بڑی عزت نصیب ہوسکتی ہے تو اس نے اپنی آرزو کو پورا کرنے کی تمام کوششیں شروع کردیں اس سلسلہ میں ابن مُرّہ نے پہلا کام یہ کیا کہ خود اپنی شادی بنی خزاعہ کے اس سردار کی لڑکی سے کرلی جو کعبہ کا متولی تھا۔ یہ سردار بوڑھا ہوچکا تھا۔ ابن مُرّہ کا مقصد اس شادی سے اسکے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ موقع پاتے ہی منصب تولیت پر قابض ہوجاے۔

جب اس بوڑھے سردار کی مدت کا وقت قریب آیا تو اس نے وصیت کی کہ اسکے مرنیکے بعد کعبہ کی کلید برداری اور تولیت کا حق اس کی اکلوتی لڑکی کو ملے۔ لیکن بوڑھے سردار کی اس وصیت کو اسکی لڑکی نے قبول نہیں کیا۔ اسکے انکار کے بعد یہ منصب اس قبیلہ کے ایک دوسرے سردار محترش کو سونپ دیا گیا۔ محترش ایک آوارہ اور عیاش مزاج شخص تھا۔ وہ ضعیف الاعتقاد اور کمزور کیرکٹر کا آدمی تھا ابن مُرّہ جو اپنے مقصد کو سردار کی لڑکی یعنی اپنی بیوی سے حاصل نہ کرسکا تھا، اب اس کیلئے کھلا موقع تھا

چنانچہ ابن مُرّہ نے محرّمش سے دوستی گانٹھ، اور اسکو شراب کا متوالا بنا دیا۔ چنانچہ ایک دن ابن مُرّہ نے محرّمش کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بیخود ہو گیا اور اپنی بدہوشی میں اُس نے کعبہ کی تولیت ابن مُرّہ کے حوالہ کر دی

اس طرح گویا شراب کے چند جام کے عوض کعبہ کی تولیت بنی خزاعہ سے نکلکر بنی قصی کے ہاتھ میں پہونچ گئی۔ قصی بن کلاب ابن مُرّہ نے اپنی زندگی بھر اس تولیت کو قائم رکھا اور کسی اور قبیلہ کا اس کی تولیت میں کوئی دخل نہ ہوسکا۔ قصی بن کلاب کے ایام زندگی جب آخر پر آگئے تو اُن نے یہ تولیت عبدمناف کو سپرد کر دی۔ عبدمناف کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام ہاشم اور دوسرے کا نام عبدالشمس تھا دونوں باپ کی مسند حاصل کرنیکے خواہشمند تھے، اور انکے درمیان کافی رقابت تھی۔ لیکن عبدمناف نے اس منصب کو ہاشم کے سپرد کر دیا۔ عبدالشمس اس پر بہت چراغ پا ہوئے۔ لیکن بالآخر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن انکے لڑکے اُمیّہ نے باپ کی طرح خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ اپنے چچا ہاشم کیخلاف سخت پروپگنڈہ کیا۔ جو بڑھتے بڑھتے طرفین میں جھگڑے اور فساد کی شکل اختیار کر گیا، یہ جھگڑا بہت ہی نازک ہو گیا۔ اور ہاشم کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ کہیں باہمی چپقلش کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ کعبہ کی یہ تولیت پھر بنی خزاعہ کے ہاتھ میں پہونچ جائے۔ اس لئے اُنھوں نے بھی اپنا رویہ نرم کر لیا۔ اُمیّہ نے معاملہ کے تصفیہ کیلئے ہاشم کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اس نزاع کا فیصلہ پنچایت کے ذریعہ طے کر لیا جائے

جو پنچایت فیصلہ کرے وہ دونوں فریقوں کو منظور ہو۔ چنانچہ ہاشم نے یہ بات مان لی دونوں فریقوں کے آدمی پنچایت میں اکٹھا ہو گئے اس کا سرپنچ بنی خزاعہ کے بڑے پادری کو بنایا گیا فیصلہ ہونے سے پہلے دونوں فریقوں کو پنچایت کے سامنے یہ اقرار کرنا پڑا کہ وہ ہر حالت میں پنچایت کا فیصلہ تسلیم کرینگے اور جس فریق کے خلاف فیصلہ ہوگا نہ صرف اپنے مطالبات سے دست بردار ہوگا بلکہ ۲۰ سال کیلئے مکہ سے جلاوطن بھی ہو جائیگا اور تاوان کے پچاس اونٹ بھی فریق مخالف کو دیگا۔

پنچایت نے تمام شرطیں مکمل کرنیکے بعد اپنا فیصلہ ہاشم کے حق میں کیا اور اُمیّہ کو شکست اٹھانی پڑی اُمیّہ پچاس اونٹ ہرجانہ دینے کے بعد ملک شام میں جلاوطن ہو گیا اس واقعہ نے ہارے ہوئے اُمیّہ اور اس کی اولاد کے دل میں اپنے حقیقی چچا اور اس کے خاندان کے خلاف نفرت و انتقام کی ایک آگ بھر دی جو صدیوں تک باقی رہی۔

یہ ہے بنی اُمیّہ اور بنی ہاشم کے درمیان پرانی عداوت کی کہانی جو ابتدا میں چچا بھتیجوں کا اختلاف تھا لیکن بعد کو اُس نے کیسے رنگ بدلے اس کی کچھ تفصیل اس کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائینگے

سیّد احمد علوی

گذارش

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی نَبِیِّہِ الْکَرِیْمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

جب میں نے علامہ ابو نصر القدسی کی کتاب "یزید بن معاویہ" کو دیکھا اور اس کا مطالعہ ختم کیا تو مجھکو یکایک یہ خیال پیدا ہوا کہ اس عمدہ کتاب کو اُردو داں حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اتنی عمدہ تاریخی کتاب نہ اُردو میں موجود ہے۔ اور نہ عربی میں، اور اس میں بلند پایہ تحقیقات کا وہ خزانہ جمع کر دیا گیا ہے جس کا علم مسلمانوں کو کافی فائدہ پہونچا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسی خیال کے ماتحت اس کتاب کا اُردو ترجمہ کیا، میں خوب سمجھتا ہوں کہ میری مادری زبان اردو نہیں ہے۔ اور مجھ سے بہت سی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں، میں ان غلطیوں کی معافی چاہتا ہوں، اور مجھے اُمید ہے کہ ناظرین کتاب ہذا مجھے ان سے ضرور باخبر کریں گے۔ تاکہ دوسری باران کی تصیح کر دی جائے۔

میرا مقصد اس ترجمے سے جلب منفعت نہیں ہے۔ اور نہ تعصّب کا کوئی اثر میرے اندر کار فرما ہے، میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس عظیم موضوع کو پبلک کے سامنے پوری صحت سے پیش کر دیا جائے۔ میری خداوند کریم سے دعا ہے۔ کہ وہ اپنے حبیبؐ پاک کے صدقے میں مجھے راہِ راست دکھائے۔ اور مجھکو اس کی خدمت کا بیش از بیش موقع دے۔

یہ کتاب ان لوگوں کو خاص کر مفید ثابت ہوگی جو حسین ابنِ علیؓ کے سلسلۂ جہاد اور اس کی تاریخی تفصیلات سے واقف ہونا چاہتے ہیں، اور جو حادثہ کربلا کی اصل نوعیت کو جاننے کے خواہش مند ہیں۔ کچھ لوگ یہ بھی سوچ سکتے ہیں۔ کہ بہت سے انبیا، کرام اُولوالعزم انسان ایسے گذرے ہیں۔ جنکی شہادت بڑی دردناک ہوئی۔ اور ان کو انسانوں نے بڑی سفاکی سے ختم کر دیا۔ لیکن ان کے تذکرے کو اتنی نمایاں اہمیت حاصل نہیں ہے جتنی کہ حضرتِ امام حسینؓ کے دردناک حالاتِ زندگی کو حاصل ہے۔ ایسے لوگوں کا شبہ اس کتاب کو پڑھ کر دور ہوسکتا ہے۔ اور ان کو معلوم ہوسکتا ہے کہ شہادت حسینؓ کی اہمیت کیوں ہے۔ اور اس کا اثر اسلام کے مستقبل پر کیا پڑا؟

کچھ لوگ ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن کے دل میں یہ شبہ گذرے یا کچھ غیر مسلم معترض اس قسم کی باتیں پیش کرسکتے ہیں۔ کہ جبکہ حسین ابن علیؓ اس وقت کے خلیفہ کی رعایا میں سے ایک فرد تھے۔ تو انھوں نے اپنے وقت کے خلیفہ کے خلاف کیوں ایسی سرفروشانہ کوشش کی، اور اگر خلیفۂ وقت نے اپنے ایک مخالف اور اس کے ساتھیوں کو بہ زورِ قوت ختم کر دیا۔ تو اس نے کون سا جرم کیا ہے۔ یہی اُصول سابق میں رہا ہے۔ اور اب بھی ہر حکومت اس کو عمل میں لاتی ہے۔ یہ شبہ یا اعتراض ان لوگوں کی طرف سے ہوسکتا ہے۔ جو اسلامی تاریخ کے اس اہم حصّے سے بالکل ناواقف ہیں۔ اس کتاب کو بہ غور پڑھنے کے بعد ایسے شدّت پسند معترضوں کو خاموش ہو جانا پڑے گا۔ اور ان کے سامنے اس شہادت عظمیٰ کے تمام حالات پُوری وضاحت اور تحقیق سے سامنے آجائیں گے۔ اور کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے گا۔

لیکن اگر اس کتاب کے ناظرین اس سلسلہ میں تفصیلی مطالعہ چاہتے ہیں اور وہ علمی تحقیق کے جویا ہیں۔ تو ہم ان کے لئے عربی کی ایسی باون (۵۲) کتابوں کی فہرست نیچے درج کر دیتے ہیں، جو تاریخی اور علمی حیثیت سے انتہائی مستند

ہیں۔ اور جن کے مطالعہ کے بعد کوئی جویائے حق اس مسئلہ میں مکمل واقفیت حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یوں تو اس موضوع پر یورپین محققوں نے بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں مگر ہم ان کا نام اس لئے درج نہیں کرتے۔ کہ یہ تعصب سے خالی نہیں ہیں۔ اور ان میں تحقیق حال کے بجائے غلط جذبات سے کام لیا گیا ہے۔ اور نہ ہم ان مزید کتابوں کا حوالہ درج کرتے ہیں۔ جو عربی کے مستند مصنفوں کی ہیں کیونکہ اتنی زیادہ کتابوں کا مطالعہ آسان نہیں ہے۔

فہرست درج ذیل ہے:-

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	الطبقات الکبریٰ	لابن سعد	۱۴	الکامل	لابن الاثیر
۲	الامامۃ والسیاسۃ	لابن قتیبہ	۱۵	اسد الغابہ	″
۳	المعارف	لابن قتیبہ	۱۶	الکامل	للمبرد
۴	فتوح البلدان	للبلاذری	۱۷	مختصر فی اخبار البشر	لابی الفداء
۵	انساب الاشراف	″	۱۸	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	لابن الحجر العسقلانی
۶	تاریخ یعقوبی	لاحمد بن یعقوب	۱۹	صحیح بخاری	للبخاری
۷	تاریخ الامم والملوک	للطبری	۲۰	تاریخ الخمیس	للدیار بکری
۸	الاغانی	لاصفہانی	۲۱	شرح نہج البلاغہ	لابن ابی الحدید
۹	تاریخ ابن خلدون	لابن خلدون	۲۲	فتوح المصر واعمالہا	لابن اسحاق
۱۰	انساب القرشیین	للمقدسی	۲۳	وفیات الاعیان	لابن خلکان
۱۱	الاستیعاب	لابن عبد البر	۲۴	الفخری	لابن طباطبا
۱۲	تاریخ دمشق	لابن عساکر	۲۵	العقد الفرید	لابن عبد ربہ
۱۲	معجم البلدان	لیاقوت الحموی	۲۶	مختصر تاریخ الدول	لابن العبری

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	نمبر	نام کتاب	نام مصنف
۲۷	مروج الذہب	للمسعودی	۴۰	ادارۃ اسلامیہ فی عز العرب	لمحمد کرد علی
۲۸	الخلفاء الراشدون	لعبد الوہاب النجار	۴۱	عصر المامون	لرفاعی
۲۹	تاریخ امم الاسلامیہ	لمحمد الخضری	۴۲	مسند حنبل	لاحمد بن حنبل
۳۰	التمدن الاسلامی	لجرجی زیدان	۴۳	الفصل فی الملل والنحل	للشہرستانی
۳۱	الاموال	لابن سلام	۴۴	الملل والنحل	لابن حزم
۳۲	کتاب الخراج	لابی یوسف	۴۵	تاریخ البلدان العراقیہ	للسید عبد الرزاق الحسینی
۳۳	کتاب الخراج	لیحیٰ بن آدم	۴۶	نہضۃ الحسین	لہبۃ الدین الحسینی
۳۴	فتوح العرب للشام	للحداد	۴۷	لواعج الاشجان	للعلامہ العاملی
۳۵	اخبار الطوال	للدینوری	۴۸	القصیدۃ العلویۃ المبارکہ	للعبد المسیح بک انطاکیہ
۳۶	تاریخ تشریع الاسلامی	للخضری	۴۹	حسین بن علی	لعمر ابو النصر
۳۷	فجر الاسلام	لاحمد امین	۵۰	مجالس السنیۃ	للعلامہ العاملی
۳۸	حاضر العالم اسلامی	لامیر شکیب	۵۱	معاویہ بن ابی سفیان	لعمر ابو النصر
۳۹	خطط الشام	لمحمد کرد علی	۵۲	الیزیدیہ	لاحمد تیمور باشا

فرقہ یزید (شیطان کے پجاریوں) کے عجیب و غریب حالات

ناظرین کو اس مضمون کا عنوان دیکھکر حیرت ہوئی ہوگی کہ یہ کون فرقہ ہے جو اس دنیا میں موجود ہے۔ لیکن یہ دنیا اتنی عجیب و غریب ہے کہ اس میں اس قسم کا بھی کوئی فرقہ ہو تو حیرت کی بات کیا۔ یہ فرقہ آج بھی موجود ہے۔ اور اس کا آغاز اس وقت ہوا تھا۔ جبکہ حضرت علیؓ و معاویہؓ کے اختلافات نے جڑ پکڑنا شروع کی تھی اور بعد کو جب یزید بن معاویہؓ خلیفہ بنا تو مسلمانوں کی اکثریت نے اس کی مخالفت کی لیکن چونکہ حضرت معاویہؓ اس پر بہ ضد تھے کہ ان کا نالایق بیٹا خلیفہ تسلیم کرلیا جائے۔ اس لئے انھوں نے مختلف صوبوں کے گورنروں کو خفیہ طور پر یہ احکام جاری کر دیئے تھے۔ کہ وہ ہر طرح کوشش کرکے یزید کی خلافت پر بیعت لیں، چنانچہ اکثر گورنروں نے حضرت معاویہؓ کو خوش کرنے کے لئے تشدد سے کام لیا اور مسلمانوں سے زبردستی بیعت حاصل کی، جب حضرت معاویہؓ کا انتقال [1] ۶۰-۶۱ھ میں ہوا تو یزید کے ہوا خواہوں اور افراد بنی امیہ نے یزید کی خلافت کا ڈنکا بجایا۔ اور ہر طرف تشدد سے کام لے کر یزید کو مسلمانوں کا خلیفہ بنا دیا۔ لیکن چونکہ مسلمان دل سے یزید کے ساتھ نہ تھے۔ اور وہ اس کی خلافت سے نفرت کرتے تھے۔ اس لئے مواد اندر اندر پکنے لگا۔ اور دبی ہوئی نفرت مظاہروں کی شکل اختیار کرنے لگی، یہ حالات بعد کو ترقی کرتے کرتے اس منزل تک پہونچے کہ یزیدیوں نے بیت اللہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور مدینہ والوں پر بڑے سخت مظالم کئے۔ مگر جب

[1] مولف نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے میں نہایت غلط انداز اختیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی احمد یار کی کتاب "امیر معاویہ" اور علامہ عبدالعزیز پرہاروی کی "ناہیہ" دیکھی جائیں۔ مورخین نے حضرت معاویہ کے سلسلے میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔

اس سے بھی آگ فرو نہ ہوئی تو پھر حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا وہ روح فرسا سانحہ درپیش ہوا جو قیامت تک کے لئے کائنات کے سینے پر نقش ہوگیا ہے،

اسی زمانے میں مسلمانوں کے اندر مختلف گروہ پیدا ہوگئے۔ جن میں سے ایک شیعانِ علیؓ تھے۔ جو بعد کو مستقلاً شیعہ فرقہ بن گئے اور آج تک کثیر تعداد میں سب جگہ موجود ہیں۔ لیکن شیعانِ علیؓ کے سوا عام مسلمانوں میں بھی تین خیال کے لوگ پیدا ہوگئے۔

(۱) وہ فرقہ جس نے یزید پر لعنت و ملامت کی اور اس کے خلاف دل میں نفرت و عداوت کو مستقلاً جگہ دی،

(۲) وہ فرقہ جو بین بین تھا۔ جس نے نہ بنی ہاشم کی ہمدردی کی اور نہ بنی امیہ کا ساتھ دیا۔

(۳) وہ فرقہ جو پہلے فرقے کے برعکس یزید کا حامی اور ہمنوا تھا۔ اور جو اس کے متعلق حسنِ ظن رکھتا تھا،

پہلے دونوں فرقے وہ ہیں جو آج بھی موجود ہیں، اور دنیا کے عام مسلمان انہی خیالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن تیسرا فرقہ یعنی یزید کے حامی اور مددگار اب دنیا میں بالکل ختم ہوگئے ہیں البتہ عراق کے ایک مقام شیخان میں ان کی تھوڑی آبادی اب بھی ہے جو بدلتے بدلتے اور عقائد مسخ کرتے کرتے عبدالشیطان یعنی شیطان کی پجاری بن چکی ہے،

فرقہ یزیدیہ کا پہلا باقاعدہ بانی ایک شخص شیخ عدی بن مسافر الاموی ہے جو یزید کے زمانے میں تھا اور جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بڑا عالم اور صوفی منش شخص تھا۔ مشہور مصنف تیمور پاشا نے اپنی کتاب یزیدیہ میں لکھا ہے۔ کہ ان کی لائبریری میں ایک پرانی بوسیدہ کتاب کے کچھ ایسے ورق موجود ہیں، جن میں اس فرقے کے عقائد مذہبی کا ذکر ہے۔ تیمور پاشا لکھتے ہیں، کہ اس کتاب میں لکھا ہے۔ کہ حضرت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ امام بن امام اور خلیفہ بن خلیفہ تھے، وہ جائز طور پر

ـلـه اب یزید کو امیر المومنین کہنے والے پاکستان میں بکثرت پیدا ہوگئے ہیں اور یہ سب نجدی ہیں یا دیوبندی۔

اللہ تعالیٰ اہلسنت کو ان کے [illegible] سے محفوظ رکھے آمین [illegible]

خلیفہ تھے اور انھوں نے جہاد فی سبیل اللہ کیا! نیز اس کتاب میں یزید کے نام سے کچھ حدیثوں کی روایتیں بھی لکھی ہوئی ہیں، وہ ان کے نزدیک راوی حدیث بھی تھا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ "حضرت یزید علیہ السلام" نے نہ تو حضرت حسینؓ کو قتل کیا، اور نہ یزید کا اس واقعہ سے کوئی تعلق ہے۔ وہ بالکل بے گناہ اور بے قصور تھے،

شیخ عدی بن مسافر الاموی نے ابتدا میں اپنے مریدوں اور معتقدوں میں انہی خیالات کی ترویج کی، اور انہوں نے اپنے ان خیالات کو ایک باقاعدہ تحریک کی شکل میں پیش کیا، لیکن بعد کو شیخ عدی بہت زیادہ متعصب ہو گئے اور انہوں نے یہاں تک غلو برتا کہ یزید کو درجہ "نبوت" تک پہونچا دیا۔ لیکن بعد کو اس شیخ عدی کی گمراہی اور زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے ان ظاہری ارکان اسلام کو بھی چھوڑ دیا جس کا وہ پاس کرتا تھا۔ آخر میں وہ اوہام پرست ہو گیا۔ اور اس نے یزید کو اپنے سات معبودوں میں سے ایک بنالیا۔ اور اس کی پرستش شروع کردی،

مشہور محقق حضرت امام ابن تیمیہ نے اپنے رسالے عدیہ میں اس شیخ کے عقاید پر بحث کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یزید کو نبی مانتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک جو اُن کی نبوت میں شک کرے وہ کافر ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ نیز بعض لوگ، شیخ حسن بن عدی بن مسافر الاموی کی اس بات پر یقین لاتے ہیں، کہ یزید ولی کامل تھا اور جو اس کو برگزیدہ نہ مانے وہ دوزخی ہے۔ اس طرح کے بیہودہ عقاید کچھ لوگوں کے ہیں، حضرت امام ابن تیمیہ ایسے عقیدہ رکھنے والوں کی تردید کرتے ہیں، وہ اپنی کتاب میں ان لوگوں کو جو طرفین کی طرف سے افراط و تفریط اور حدود اسلامی کو پار کر جاتے ہیں متنبہ کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ نہ کفریہ عقاید رکھنا باعث نجات ہو سکتا ہے، اور نہ سب و شتم کی عادت اختیار کرنا کوئی مستحسن فعل ہے،

امام ابن تیمیہ کی کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے زمانے میں ان موضوعات پر بہت زیادہ بحث ہوتی تھی۔ ان کے زمانے میں یزید کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے

ل پاکستان کے خوارج بھی یہی کہتے ہیں (رضا چشتی)

والے مسلمان بھی تھے، اور اس کو زندیق و کافر کا خطاب دینے والے بھی، اس کو ائمہ و صلحاء میں شمار کرنے والے بھی تھے، اور اس پر لعنت و ملامت کرنے کو عقیدہ ماننے والے بھی، اسی لئے اس بحث کو ختم کرنے کے لئے امام ابن تیمیہ کو رواداری اور میانہ روی کی نصیحت کرنے کی ضرورت پڑی،

یزیدی فرقے کے مذہبی اور موجودہ حالات

یہ یزیدی فرقہ جس کے بانی عدی بن مسافر الاموی کا مختصر تذکرہ بالائی سطروں میں کیا جاچکا ہے۔ آجکل شمالی عراق کے ضلع موصل کے ایک گاؤں شیخان میں آباد ہے۔ اور شروع سے اس کا مسکن یہی ہے۔ اس فرقہ کی موجودہ تعداد تیس ہزار (۳۰۰۰۰) ہے۔ یہ لوگ شیخان کے علاوہ اور دوسرے گاؤں میں بھی رہتے ہیں، لیکن ان کی کل موجودہ آبادی ضلع موصل تک محدود ہے۔ اس فرقے کے موجودہ عقاید یہ ہیں، کہ وہ یزید بن معاویہ کی پرستش کرتے ہیں۔ اور وہ ان کے سات معبودوں میں سے ایک ہے، شیطان بھی ان کے خداؤں میں ایک خاص خدا ہے۔ جس کو یہ بہت طاقتور سمجھتے ہیں۔ اور اس کا نام ہر وقت ورد زباں رکھتے ہیں۔ شیطان کے نام سے اپنے کام کا آغاز اور اختتام کرتے ہیں، ان کے مذہبی عقاید، رسومات اور قومی خصایل دنیا میں سب سے انوکھے ہیں، کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ یہ فرقہ یزید بن معاویہ کو نہیں بلکہ یزید بن انیسہ کو مانتا ہے جو خارجی گروہ کا پیشوا تھا۔ اور کچھ مصنفوں کی رائے ہے کہ یہ لفظ یزید نہیں بلکہ یزدان ہے جو فارسی میں خدا کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس یزداں سے یہ یزیدیہ بنا ہے۔ مگر حقیقتاً یہ دونوں رائیں غلط ہیں، وہ لوگ نہ فرقہ خوارج سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ یزدانیوں سے۔ یہ ایک مستقل فرقہ ہے جو از اول تا آخر یزید بن معاویہ کی پرستش کرتا ہے، اور اس کی بنیاد اور جڑ یزید کے دور کے ہنگاموں اور اس کے غلط اثرات سے وابستہ ہے،

میں (مترجم کتاب ہذا) خود عراق کا رہنے والا ہوں، اور تقریباً چھ سال تک ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک خود ضلع موصل میں بسلسلہ ملازمت رہا ہوں، میں

اس فرقے کے افراد سے ذاتی طور پر ملا ہوں، اور ان کے مرکزی مقام شیخان میں بھی سیر کر آیا ہوں،

میں نے ان لوگوں کے مذہبی عقاید و رسوم کو بغور دیکھا ہے، اور اس کی تحقیق ان لوگوں سے مل کر کی ہے، میری تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ دراصل اس فرقہ کا بانی عدی بن مسافر الاموی ہی تھا۔ جو بظاہر صوفی منش اور پُراسرار ہستی تھا۔ اس کی قبر اس گاؤں میں موجود ہے۔ اور یہ قبر اس فرقہ کے نزدیک اتنی مقدس اور متبرک ہے کہ ہر سال اس فرقہ کا حج اسی قبر کے ارد گرد طواف کر کے ہوتا ہے، وہ بڑے سے بڑے معبد کی طرح اس کی تقدیس کرتے ہیں۔ اور ہزاروں کی تعداد میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ ان کو نماز سے کوئی سروکار نہیں ہے، اور نہ حج بیت اللہ کرتے ہیں۔ اور روزہ بھی صرف تین روز رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بیک وقت دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک وہ جو نیکی کا مالک ہے، اور دوسرا وہ جو برائیوں کا مالک ہے یہ لوگ خدائے خیر کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کو تکلیف دینے کی طاقت نہیں ان کی ساری عبادتیں صرف خدائے شر کے لئے وقف ہیں، وہ خدائے شر سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کی طاقت سے پناہ مانگتے ہیں، وہ شیطان کو مکرم و معظم اور تمام عبادتوں کا مستحق قرار دیتے ہیں، وہ لوگ شیطان کی عبادت کی دلیل یہ دیتے ہیں، کہ اگر شیطان کی عبادت نہیں کی گئی، تو انسان گمراہ ہو جائے گا۔ اور اس پر "حضرت شیطان تعالیٰ مجدہٗ" کا غضب نازل ہو گا۔

اس فرقہ کی دو مذہبی کتابیں ہیں جن کو شیخ عدی بن مسافر الاموی اور ان کے جانشینوں نے تیار کیا تھا۔ ایک کا نام "الجلوہ" ہے اور دوسرے کا نام "مصحف رش" ہے یہ کتابیں جداگانہ مضامین پر مشتمل ہیں، وہ ان کتابوں کو آسمانی صحیفوں کی طرح مقدس سمجھتے ہیں۔ اور مختلف اوقات میں باقاعدہ ان کی تلاوت کرتے ہیں۔

ان کے عادات و خصائل بھی نرالے ہیں۔ ان کے یہاں اولاد کو تعلیم دلانا حرام ہے، جو ترکاریاں شہر کی کھاد سے تیار ہوتی ہیں۔ ان کا کھانا حرام ہے۔ وہ باقاعدہ بنے ہوئے حماموں میں غسل نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عقیدے کے بموجب باقاعدہ حمام

حضرت شیطان کی جگہ ہے، اور اس جگہ نہانا شیطان کی تعظیم کے خلاف ہے، وہ گھوڑوں اور گھوڑیوں پر نہ سواری کرتے ہیں اور نہ سامان لادتے ہیں، وہ ان جانوروں کو مقدس سمجھتے ہیں کیونکہ وہ مرکب شیطان ہیں۔ ان کی بستیوں میں کوئی شخص "شں" سے مرکب کوئی لفظ یا عبارت نہیں بول سکتا ہے، یہ ان کی مذہبی جڑ ہے۔ شں کے حرف سے بنا ہوا لفظ شیطان اعظم کی توہین کا موجب ہو سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس گاؤں کا اصل نام "باعذائی" ہے۔ اس کی مسافت موصل شہر سے اکتیس ۳۱ میل ہے۔ حکومت عراق کے سرکاری کاغذات میں اس کو شیخان کہتے ہیں۔ اور پتہ نہیں کہ کن ستم ظریفانہ وجوہات کے بنا پر اس کا نام شیخان پڑ گیا۔ بہرحال یزیدی فرقے کا کوئی بھی شخص نہ شیخان کہہ سکتا ہے۔ اور نہ شں کا لفظ استعمال کر سکتا ہے۔ ان لوگوں کی مادری زبان کردی ہے۔ اور عربی و ترکی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔

احمد تیمور پاشا نے اپنی کتاب "الیزیدیہ" میں لکھا ہے کہ سنہ ۶۵۲ھ میں اس فرقے نے حکومت کو محاصل دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بنا پر حکومت نے بدرالدین لولو حاکم موصل کو اس کی سرکوبی کے لئے متعین کیا تھا۔ جس نے ان پر چڑھائی کی، ان لوگوں پر بڑی سختیاں کیں۔ شیخ عدی کی قبر اکھاڑ دی۔ اور اس کی ہڈیاں جلا ڈالیں۔ اس کی خانقاہ کے جانشین کو گرفتار کر کے موصل لایا گیا اور پھانسی دے دی گئی۔

شیطان کے پرستش کے اسباب

کہا جاتا ہے کہ شیخ عدی بن مسافر الاموی کے زمانہ میں اس فرقے کے لوگ شیطان کے پجاری نہ تھے۔ بلکہ ان کے مریدوں کے دل میں شیطان کا خوف حد سے زائد تھا۔ یہ خوف اس درجہ بڑھا ہوا تھا۔ کہ اس کی سرحدیں شیطان کی تعظیم سے جا ملتی تھیں۔ لیکن بعد کو جب فرقہ یزیدیہ کے سجادہ نشین شیخ فخرالدین بنے تو شیطان کی عبادت اس فرقہ کے ایمان میں شامل ہو گئی۔

شیخ فخرالدین کے خیالات پر سب سے زیادہ اثر ابوالفتح احمد بن غزالی کا پڑا جو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بھائی تھا ابوالفتح کے اس خیال کا تفصیلی تذکرہ

عوارف المعارف میں شرح نہج البلاغة کا حوالہ دیتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔ کہ ابوالفتح طوس سے بغداد آیا تھا۔ اور اپنے صوفیانہ خیالات میں توازن دماغی کھو بیٹھا تھا۔ بڑا عالم، بڑا مناظر، اور بڑا زبردست مقرر تھا، لیکن وہ اس گمراہی میں مبتلا تھا۔ کہ شیطان ایک قابل عزت چیز ہے۔ چنانچہ اس نے بغداد کی اکثر مساجد میں شیطان کے اوصاف حمیدہ پر بڑی زوردار تقریریں کیں، اس نے کہا کہ شیطان سے زیادہ عظیم المرتبت فرشتہ نہ زمین پر ہے اور نہ آسمان پر۔ رمز توحید جاننے والا وہ اکیلا ہے۔ وہ سید الموحدین ہے، ابوالفتح کہا کرتا تھا۔ کہ جو شخص شیطان سے توحید نہ سیکھے یا اس کے نقش قدم پر نہ چلے وہ یقیناً زندیقوں کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔ وہ کہتا تھا۔ کہ شیطان کی توحید پرستی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کیا۔ اور خدا کے کہنے کے باوجود انسان کے آگے سر نہیں جھکایا۔ ابوالفتح کا کہنا تھا کہ قیامت کے دن ابلیس سرخرو ہوگا۔ اور اس کی زبان ہرگز باندھی نہیں جائے گی۔ اس کا کہنا یہ بھی تھا کہ شیطان شر کے سوا خیر بھی کرسکتا ہے۔ اور وہ نیکی کی تلقین بھی کرتا ہے۔

شیطان کے متعلق یہ پرجوش خیالات ابوالفتح کے تھے۔ جس کا پورا اثر یزیدیہ فرقے کے اس وقت کے امام شیخ فخرالدین پر پڑا، اور اس نے ان خیالات کو اس حد تک قبول کیا کہ شیطان کی مستقل تعظیم ان کے عقاید میں شامل ہوگئی۔ اور جب اس تعظیم پر اور زیادہ گہرا رنگ چڑھا تو شیطان اس فرقہ کا معبود اکبر بن گیا۔

"الجلوہ"

فرقہ یزیدیہ کی دونوں مقدس کتابیں شیخ حسن کی لکھی ہوئی ہیں جو شیخ عدی کے جانشینوں میں بڑا ذہین اور صاحب المرتبت مانا جاتا ہے۔ "الجلوہ" میں لکھا ہے کہ خداوند کریم نے دنیا کی سب قوموں میں سب سے اشرف فرقہ یزیدیہ کو بنایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ دنیا میں جس قدر بھی الہامی کتابیں ہیں، سب تحریف شدہ ہیں۔ اور سب کو لبعد کے لوگوں نے بدل ڈالا ہے۔ اس کتاب میں دوسرے مذاہب کے معتقدات کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اور فرقہ یزیدیہ کو ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

مصحف رش (یعنی کالی کتاب)

اس کتاب میں لکھا ہے کہ خدا نے آسمان، زمین، درخت، پہاڑ، ملائکہ، عرش اعظم، آدم وحوا کی پیدایش کی اور اس کے بعد انسانوں پر سب سے بڑا احسان یہ کیا۔ کہ شیخ عدی بن مسافر الاموی کو ملک شام میں پیدا کیا۔ اور پھر اس کو مقام لالش[1] بھیجا تاکہ یزیدی فرقے کی اصلاح کریں۔ اور پھر خدا نے طاؤس[2] کو آسمان سے زمین پر بھیجا، تاکہ زمین پر بادشاہت کرے۔ اور نور ہدایت پھیلائے۔

اس کتاب میں حضرت شیث، حضرت نوح اور حضرت انوش کی توصیف کی گئی ہے، اور فرقہ یزیدیہ کے مورث اعلیٰ ان کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ اسلام، یہود، نصاریٰ، اور جملہ عرب وعجم کی اصلاح صرف فرقہ یزیدیہ ہی کرے گا۔

ھ۱ یہ اس گاؤں کا نام ہے جس میں شیخ عدی نے سب سے پہلے تبلیغ کی اور پھر وہیں مرگیا۔

ھ۲ طاؤس سے مراد شیطان ہے۔

ھ۳ پاکستان کے حامیانِ یزید بھی کچھ اسی قسم کے دعوے کر رہے ہیں (رضا چشتی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ کتاب مصنّف

ان صفحات کو (جو یزید بن معاویہ کے حالات پر مشتمل ہیں) جب میں نے کتابی صورت میں ترتیب دینا چاہا، اور لوگوں کو اس کا علم ہوا، تو ان میں سے بہتوں نے مجھ پر خفگی ظاہر کی اور مجھے یہ خوف دلایا کہ اس کتاب کی تالیف حسبِ دلخواہ راست نہ آئے گی۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ یہ موضوع ایسا خطرناک ہے کہ اس سے بحث ومباحثہ کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور مسلمانوں میں اختلافات رونما ہو جائیں گے جو یزید کے عملہ میں نمودار ہو کر اسلامی ملکوں کی تباہی و بربادی کا باعث بن چکے ہیں۔ یزید کے اس پُرفتن دور میں اگر خدا کی حکمت اور اس کا فضل کارفرما نہ ہوتا تو جو تلواریں غزوۂ فارس وروم کے لئے تیز کی گئیں، وہ خود سابق مسلمان مجاہدین کے لئے نکل پڑتیں، اور ان کے اندر پیوست ہو کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتیں۔

اس لئے آج پھر اس فتنہ کو بیدار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ان کی یہ دلیل اس زمانہ کے لئے کارگر ہو سکتی تھی جبکہ یزید کے حالات پر مشتمل اس قسم کی کوئی کتاب یزید کے عملہ کے بعد پہلی صدی ہجری کے اواخر میں لکھی جاتی جبکہ مسلمانوں کے دل ابھی تک غم والم سے لبریز تھے اور مسلمانوں کا جو خون بہہ چکا تھا اس کے آثار وعلامات باقی تھے۔ مگر آج ہم ایک ایسے دور میں ہیں جس میں ضرورت ہے کہ ہم اپنے گذشتہ عہد کی تاریخ کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کریں، اور ان اسباب سے لاعلمی

وجہل کا پردہ اٹھائیں، جن سے فتنہ کی جڑ مضبوط ہوئی تھی تاکہ وہ وجوہ ظاہر ہو جائیں، جو تمام عالم اسلامی میں پھیل کر باہمی نفرت کے اثر کو اس طرح بڑھاتے رہے ہیں کہ، گویا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو باہمی اتحاد و اتفاق کی تعلیم ہی نہ دی تھی، اور جیسے ان کے آپس کے عدم تعاون اور اختلافات وافتراق کو برا اور ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے ان پر ایک دوسرے کی محبت والفت کو فرض ہی قرار نہ دیا تھا۔

یہ یقینی امر ہے کہ یزید کی تاریخ دین اسلام کی تحریک اور مسلم شہنشاہیت کے قیام کے ساتھ ایک زبردست وابستگی رکھتی ہے۔ کیونکہ جو حوادث یزید کے وقت میں پیدا ہوئے، وہ ان کے پیدا ہونے کا وقت نہ تھا، بلکہ ان کا ظہور سابقہ حوادث اور گزشتہ مبادی کا ایک ناگزیر نتیجہ تھا، جن کے لئے بہتر یہ تھا کہ انہیں اسلامی جماعتوں کے افکار و تصورات ہی میں پوشیدہ رکھا جاتا، اور ان کی وہ توجیہ کی جاتی، جو ہم نے اس کتاب میں بیان کی ہے۔

یہ چیز عین توقع کے مطابق تھی کہ جب عرب اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے تھے تو وہ اپنے تمام نزاعی امور کے فیصلہ کے لئے قرآن کریم کو ہی اپنا حکم بنائیں گے۔ اور تلوار سے فیصلہ کرنے کی قدیم جاہلانہ روش سے باز آجائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور عرب زمانۂ نبوت اور زمانہ صدیقی وفاروقی اور اوائل عہدِ عثمانی تک اسی طریق پر قائم رہے، لیکن جب خلیفہ سوم کا آفتاب زندگی قریب الغروب ہوا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت شروع ہوا، تو عرب پھر اپنے پرانے طریق فیصلہ "تلوار"، کی طرف لوٹ پڑے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معرکۂ جمل، صفین، نہروان، اور قتل عثمان رضؓ کا واقعہ رونما ہوا، اور پھر خلیفہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا آلۂ کار بن کر رہ گیا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ، قوانین جب نافذ ہوتے ہیں، تو ان سے بہت کم لوگوں میں تغیر وتبدل پیدا ہوتا ہے، بلکہ ان کا اثر صرف ان ہی لوگوں پر پڑتا ہے،

جو قوانین کی روشنی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہتے ہیں، اور جو اس بات کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ، اس میں ان کی ملوکیت اور شہنشاہیت کے لئے کیا خطرہ و اندیشہ ہے۔

اگر اس اختلاف کا اثر صرف اسی عہد کے مسلمانوں تک محدود رہتا، تو یہ کوئی بڑی بات نہ تھی، مگر اس کا بُرا اثر نفس اسلام پر پڑ رہا ہے، اور اس نے اسلام کو سخت نقصان پہونچایا ہے، اور اسلامی بادشاہت بھی اس کے اثرِ بد سے نہ بچ سکی، اور کمزور اور مضمحل ہو کر آگے بڑھنے اور پھیلنے سے رک گئی۔ اور جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ، مورخین کے بیان کے مطابق مسلمانوں کی تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۷۰ ہزار تھی، ان میں سے تیس ہزار مسلمان مکہ و مدینہ میں تھے اور باقی چالیس ہزار مسلمان جزیرۃ العرب میں تھے، ان ہی تھوڑے مسلمانوں میں سے کئی ہزار شام، الجزیرہ، فارس، افریقہ کے جہادوں میں حضرت عمر فاروق حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں شہید ہو گئے، پھر جب حضرت علی رضؓ کا زمانہ آیا اور مسلمان جوق در جوق جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں میں شریک ہوئے اور باہمی نزاع بڑھا تو ان میں بھی کئی ہزار کی تعداد میں مسلمان جاں بحق ہو گئے، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ، اسلام کے لئے کیا کیا خطرے پیدا نہیں ہوئے اور اسلامی حکومت کو پاش پاش کرنے کے لئے کیا کیا فتنے نہیں اٹھے۔

یہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس کی واقعیت اس وقت اور بھی واضح اور روشن ہو جاتی ہے، جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ، معرکۂ صفین میں مسلمان ہزاروں کی تعداد میں قتل ہوئے، جس کا اندازہ بعض مورخین نے ۷۰ ہزار لگایا ہے، اس کثیر تعداد کا نصف حصہ قادسیہ، یرموک اور ماورا النہار کی جنگوں میں ہلاک نہیں ہوا، حالانکہ یہ معرکے اسلامی جھنڈے کے نیچے لڑے گئے تھے، اور اسلامی فتوحات کے لئے سب سے بڑے معرکے سمجھے جاتے ہیں؛

اگر یہ باہمی جنگ وقتال نہ ہوتا، تو عرب اسی طرح سہولت کے ساتھ رومی ممالک میں بھی داخل ہو جاتے، جس طرح فارس وشام کے میدانوں میں داخل ہو گئے تھے، اور اسی طرح پوری قوت وہمت کے ساتھ بے دھڑک قسطنطنیہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں پر بھی قبضہ کر لینے پر قادر ہو جاتے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اس حد تک اس معرکہ کے برے اثر کو معلوم کر لیا ہے، کہ حضرت معاویہؓ رومیوں کے ساتھ نرمی کرنے اور ان سے جزیہ معاف کر دینے کے لئے مجبور ہو گئے تھے، اگر رومی سلطنت کمزور نہ ہوتی، اور اسے عربوں کی شجاعت وتہور کا خوف نہ ہوتا، اور اسے مسلمانوں کے باہمی مناقشاتؔ واختلافات کا علم ہوتا، تو اس کی فوجیں یقینی طور پر شام کے حدود تک پہونچ جاتیں، اور تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہو جاتا۔

حضرت معاویہؓ اس بات سے پوری طرح واقف تھے کہ، عربی سلطنت کے لئے کونسی چیز طوائف الملوکی کا سبب بنے گی؟ مستشرقین یورپ جتنا بھی چاہیں، حضرت معاویہؓ کی طرف سے عذر وبرأت پیش کریں، مگر یہ چیز ہم کو اس چیز کے سمجھنے سے نہیں روک سکتی کہ، جہاں اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ کا مطمح نظر بلند واعلیٰ تھا، وہاں اس سے بھی زیادہ بلند ایک اور نصب العین تھا، اور وہ اسلام کی نشر واشاعت کرنا اور عربی جھنڈے کو بلند کرنا تھا۔

یہ بات بھی ثابت ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری ایام زندگی میں صورتِ حال کی نزاکت کو تاڑ لیا تھا، اور سمجھ گئے تھے کہ آئندہ اسلام اور خلافت کو کیا کیا صدمہ پہونچنے والا ہے، وہ جس وقت ان باتوں کو محسوس کر رہے تھے اس وقت ان کے پاس ایسی فوج تھی، جو سخت عہد شکن، غدار اور غیر متفق تھی، وہ اپنی فوج کی ان خرابیوں کو محسوس کر رہے تھے، اور متمنی تھے کہ کاش ان کی فوج کے دس آدمی بھی ایفائے عہد ووفاداری میں حضرت معاویہؓ کے ایک سپاہی کے برابر ہوتے تاکہ

لہ اس زمانہ میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ جاری تھی۔ مترجم ۱۲

معاملہ جلد طے ہو جاتا، اور تمام امور اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتے اور اسلامی لشکر اپنے حقیقی فرائض کی طرف متوجہ ہو کر غیر مسلم ممالک میں پہونچ کر جد وجہد سے کام لیتا، اسلام اور اس کا کلمۂ توحید ساری دنیا میں غالب ہو کر پھیل جاتا۔

حضرت علی رضؓ نے، جب ان کے پاس مصر سے محمد بن ابی بکر رضؓ کے قتل ہونے اور مصر پر عمرو بن العاص کے حضرت معاویہ کے نام سے قبضہ کرنے کی خبر سنی تو لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی :۔

"کیا یہ تعجب خیز امر نہیں ہے کہ، معاویہؓ ظالم اور کمینے لوگوں کو بغیر تنخواہ جس طرح چاہتے ہیں، بلاتے ہیں، اور یہ حسب ضرورت سال میں کئی کئی بار ان کے پاس پہونچتے ہیں اس کے برعکس اگر میں کبھی تم لوگوں کو بلاتا ہوں، تو تم لوگ انکار کر دیتے ہو، اور تمھارے سربرآوردہ لوگ معاویہ کے ساتھ ہو جاتے ہیں، تم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو تنخواہوں پر نگاہ رکھتا ہے، اس لئے تم مجھ سے علٰحدہ ہو جاتے ہو اور مجھ سے اختلاف کر کے نافرمانی شروع کر دیتے ہو"

واقعہ صفین کے بعد جبکہ مسلمانوں کا خون بہائے جانے اور خلافت کی راہ میں طرح طرح کی دشواریاں پیدا کرنے سے حضرت علی کو بہت رنج پہونچا تھا تو اس وقت انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا :۔

"اللہ میرے چچا عباس رضؓ پر رحم کرے! انھوں نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا گویا پردۂ غیب کی بات کا ان کو مشاہدہ ہو گیا تھا۔ بخدا! اس معاملہ میں مجھے کوئی اچھا نتیجہ حاصل نہ ہوا"

حضرت عباس رضؓ نے حضرت علی کو، جب آنحضرتؐ کا مرض شدت پکڑ چکا تھا، مشورہ دیا تھا کہ آنحضرتؐ سے چل کر خلافت کی بابت پوچھ لیں، کہ اگر خلافت بنی ہاشم کا حق ہو تو انہیں مل جانا چاہیئے، اور اگر دوسروں کا حق ہو گا، تو آپؐ ان کے لئے وصیت فرمائینگے، اس پر حضرت علی نے جواب دیا تھا :۔

"اس کے متعلق دریافت نہ کرنا ہی مصلحت ہے، کیوں کہ اگر پوچھا گیا اور آپؐ نے انکار فرما دیا، تو پھر ہم اس سے محروم ہو جائیں گے اور پھر خلافت کا کوئی شخص ہمیں حقدار نہ سمجھے گا"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، اور حضرت علی رضؓ

لہ تصوف سے تعلق رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام الاولیاء والاصفیاء ایسا کبھی نہیں سوچ سکتے تھے

بیعت کے لئے بلائے گئے، تو انہوں نے جواب دیا:۔

"خدا کی راہ میں، میں بیعت کرنے کو تیار ہوں، میں نہیں چاہتا کہ خلافت کیلئے روڑا بنوں"

سقیفہ پھر سقیفہ میں حضرت ابوبکر رض کے ہاتھ پر بیعت لے لی گئی، ان کے بعد جب حضرت عمر رض کا زمانہ آیا، اور ان کو نیزہ مار کر زخمی کیا گیا، اور پھر خلیفہ کے انتخاب کے لئے جلسہ شوریٰ منعقد کیا گیا، تو حضرت عباس رض نے حضرت علی رض کو مشورہ دیا کہ، وہ شوریٰ میں شریک نہ ہوں، کیونکہ شوریٰ میں شرکت کرنے سے لوگ ان کو بیعت پر مجبور کریں گے اور اس طرح ضرور ان کی خلافت کا امکان ختم ہو جائے گا۔ لیکن بالآخر شوریٰ میں حضرت عثمان رض کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا اس وقت حضرت عباس رض نے یہ قیاس کر کے کہ حضرت عثمان کو زیادہ عرصہ تک خلافت کا موقعہ نہیں ملے گا اور وہ جلد قتل کر دیئے جائیں گے حضرت علی رض سے کہا:۔

"خدا کی قسم اگر یہ حادثہ واقع ہو گیا اور تم مدینہ میں موجود رہے تو لوگ قتل عثمان رض کا الزام تم ہی پر دھریں گے، اور پھر تم کو خلافت کے لئے بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا"

یہ چیز قرین قیاس ہے کہ، اگر حضرت علی رض ابتداء میں ہی اپنے مقصد کے لئے مداخلت کرتے تو نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ مگر ان کا اس باب میں کچھ اور ہی خیال ہوا وہ سمجھ رہے تھے کہ، ان پر کسی اور کو ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ دینی و سیاسی وراثت میں وہی سب سے زیادہ رسول اللہ سے قریب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بنی ہاشم سے اپنے لئے بیعت لینے میں بے پروائی سے کام لیا، مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر یکے بعد دیگرے خلیفہ مقرر ہو گئے اور حضرت علی نے بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ کر اور ان کی امامت کو تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس سلسلہ میں حضرت علی کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ رہ گیا حضرت علی کا شوریٰ میں شرکت نہ کرنا اور حضرت عثمان کے محاصرہ کے وقت مدینہ میں ہی رہنا تو یہ کسی بدنیتی کی بنا پر نہ تھا۔ اس قسم کی غلط فہمی قایم کرنا غلطی ہے بلکہ حضرت علی کا مدینہ میں ہی مقیم رہنا اس غرض سے تھا کہ اگر حضرت عثمان پر حملہ

کیا گیا تو وہ خود اپنی جان و مال کے ذریعہ حضرت عثمان کی طرف سے مدافعت کریں گے اس کے ساتھ ہی ان کا یہ خیال بھی تھا کہ معاملہ اس حد تک نہ پہونچ جائے گا کہ حضرت عثمان کو لوگ شہید ہی کر دیں گے۔

ابن حزم، حضرت ابو بکر رضہ کی جنگ ارتداد، اور حضرت عمر کی ان جنگوں کو بیان کرنے کے بعد جن سے اسلام کو زبردست تقویت حاصل ہوئی، حضرت علی رضہ کی سیاسی ناتجربہ کاری کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"اس ناتجربہ کاری کی بناپر لوگوں میں باہمی مخالفت پیدا ہوگئی، اور مسلمانوں کا شیرازہ اتحاد بکھر گیا، اور آپس میں ایک دوسرے کا قتل وخون کرنے لگے اور ہزار ہا مسلمان تہ تیغ ہوگئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف مسلمان، غیر مسلم علاقوں پر فتح وغلبہ حاصل کرنے کے خیال سے غافل ہوگئے اور دوسری طرف جنگ وجہاد سے اتنے خائف ہوئے کہ ان کی حربی طاقت بالکل کمزور پڑ گئی اور مفتوحہ ممالک ان کے ہاتھ سے نکلنے لگے اب مسلمانوں کا شیرازہ اس طرح منتشر ہوگیا ہے کہ، شاید قیامت تک بھی مجتمع نہ ہوسکے"

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:-

"حضرت علی جس وقت خلافت پر متمکن ہوئے، اس وقت فتنہ وفساد اپنے زور پر تھا اور بہتوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت عثمان رضہ کی شہادت کے محرک اور ذمہ دار حضرت علی رضہ ہی ہیں مگر یہ بالکل غلط بہتان ہے، حضرت علی کی طرف جو باتیں منسوب کی جاتی ہیں ان سے ان کا دامن بالکل پاک ہے۔ حضرت عثمان کے قتل کے معاملہ میں حضرت علی کا نہ ہاتھ تھا اور نہ وہ اس کو پسند کرسکتے تھے۔ اس کا ثبوت ان کے اقوال سے مل سکتا ہے۔ حضرت علی نے اس سلسلہ میں جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ بالکل صحیح اور حق ہے، مگر لوگوں کو اس کا یقین نہ آیا اور سمجھتے رہے کہ اس واقعہ میں حضرت علی کا ہاتھ ضرور تھا، حضرت علی کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا کہ جس سے وہ اپنے معاملہ کی صفائی پیش کرسکتے اور بالآخر یہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ جنگ کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں

ہے۔ جنگ کے نتیجہ میں لوگ ان کی اطاعت کرنے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے چنانچہ حضرت علی نے جنگ کی مگر اس جنگ سے کوئی حسب خواہ نتیجہ نہ نکلا، اور معاملہ پہلے سے بھی زیادہ سنگین صورت اختیار کر گیا، حضرت علیؓ کے پاس جو فوج تھی وہ بے سروسامان اور کمزور و ضعیف تھی، اور اس کے برعکس حضرت معاویہ کی فوج طاقتور اور قوی تھی، اور مسلمانوں میں بھی عام طور پر سخت نااتفاقی تھی، جس کی وجہ سے آخر میں وہ مجبور ہوئے کہ، جنگ کو روک دیں۔ اس کے بعد خلافت سخت کمزور ہو گئی، اور ضرورت پڑی کہ اسے بادشاہت میں منتقل کر دیا جائے، چنانچہ حضرت معاویہ نے خلافت کی جگہ اپنی بادشاہت قائم کر لی، اور رعایا کے ساتھ حد درجہ نرمی و بردباری کا برتاؤ کیا مگر ان کے بعد جو سلاطین ہوئے وہ ان کے مرتبہ پر نہ پہونچ سکے اور نہ ان سے بہتر ثابت ہو سکے۔ حضرت معاویہ کی سیرت بہرحال سب سے زیادہ عمدہ اور بہتر رہی"

ابن تیمیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

"حضرت معاویہ شام میں ۲۰ برس امیر رہے، اور ۲۰ برس خلیفہ بھی رہے، رعایا کو ان سے بہت محبت تھی اور ان سے کسی امر میں اختلاف نہ کرتی تھی، اور حضرت معاویہ بھی ان کے ساتھ محبت و مہربانی سے پیش آتے تھے، اور ان کی تالیف قلب کا خیال رکھتے تھے، جب حضرت علی رضؓ کی فوج سے ان کی فوج نبرد آزمائی ہوئی ہے، اور دونوں کا مقابلہ ہوا ہے تو حضرت معاویہ کی فوج نے سخت استقلال و ثابت قدمی دکھلائی، اور حضرت علیؓ کی فوج کو مغلوب کر دیا،

حضرت معاویہ کی فوج، حضرت علی رضؓ سے جنگ کرنے کی وجہ یہ بیان کرتی تھی کہ، حضرت علیؓ کی فوج گمراہ و بے راہ رو ہے، اور گمراہ سے قتال جائز ہے، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ، ان سے جنگ کر کے ان کی گمراہی کا قلع قمع کر دیں، یہی وجہ ہے کہ قتال میں حضرت معاویہؓ کی فوج پہل نہیں کرتی تھی، اور منتظر رہتی تھی کہ فریق مخالف سے پہل ہو تو ہم حملہ کریں۔ اسی بنا پر اشتر نخعی نے کہا تھا کہ، یہ لوگ ہم

سے محض اس وجہ سے جنگ کر رہے ہیں کہ ہم نے ان سے جنگ میں پہل کی ہی حضرت علی رضؓ سپاہیوں کو مغلوب کرنے سے عاجز تھے، اور ان کے اعوان و انصار میں پھوٹ تھی، اس کے برخلاف حضرت معاویہ کی فوج متحد اور متفق تھی۔

ان ہی وجوہ کی بنا پر حضرت علی جنگ کے لئے مجبور ہوئے اور وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوئے، جو خود ان کی نگاہ میں پسندیدہ نہ تھا مگر خلافت ان کو راست نہ آئی، اور وہ قاتلین عثمان اور اپنی خلافت سے بغاوت کرنے والے اہل شام اور خوارج کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے اس چیز کو محسوس کیا کہ یہی لوگ خاندانی عداوت اور کینہ کی آگ کو سلگانے والے ہیں، اور انہوں نے ہی فتنہ کا دروازہ کھولا ہے، اور یہ لوگ تلوار کے سوا کسی چیز سے ڈرنے والے نہیں ہیں، اور تلوار کا غضب غالب و مغلوب کسی کو امان نہیں دیتا، اور ان کی سرکوبی کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں ہے۔

ہم نے اُس چیز کو قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے، جس سے ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اس معاملہ میں ذرا بھی مبالغہ کو دخل نہیں دیا ہے، اور اس امر کے لئے روشن اور بین دلیل بھی ملیگی کہ، حضرت علی نے اپنے آخری ایام میں اس خونیں جنگ کو بھانپ لیا تھا، اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ اسلام کو آیندہ کیا کیا کمزوریاں لاحق ہونے والی ہیں؟۔ وہ اس تصور سے کانپ اٹھتے تھے کہ یہ حادثہ ان ہی کے وقت میں واقع ہو، مگر جس چیز کے تصور سے وہ کانپ اٹھتے تھے وہ بالآخر ان کے سامنے آ ہی گیا۔ ان کے خلاف تلواریں سونت لی گئیں، اس لئے وہ بھی مجبور ہوئے کہ، تلوار اٹھائیں اور اپنے حق کو چھین لیں اور مسلمانوں کو ایک کلمہ پر جمع کر دیں۔

مگر زمانے نے ان کا ساتھ نہ دیا، اور تا حیات اس تصور سے کہ لالچی اور غرض کے بندے "دین محمدی" کو تباہ و برباد کر دیں گے، اور اسے ظلم و سرکشی کے گھاٹ اتار دیں گے، بے چین رہے، اور اسی درد و کرب میں وفات پائی،

حضرت معاویہ کو بادشاہت حاصل ہو گئی اور ان کا تمام بلاد میں غلبہ و تسلط

قایم ہوگیا، دور و نزدیک کے تمام علاقے ان کے زیر نگیں ہو گئے، اور ان کو سرکشوں اور مقابلہ کرنے والوں کی سرکوبی میں ہر جگہ کامیابی ہوئی، اس سلسلہ میں انہوں نے زیادہ تر نرمی و بردباری اور مستحکم نظام سے کام لیا، اور اس راہ میں روپیہ پانی کی طرح بہایا، جیسا کہ انھوں نے اپنے اعوان و انصار کو موافق و ہموار کرنے میں خرچ کیا، ان کے یہ اعوان و انصار در حقیقت ان کی سلطنت کے زبردست پائے تھے، اور زمانہ میں سخت گیری اور جرأت کے نمونہ سمجھے جاتے تھے، انھوں نے حضرت معاویہ کی حکومت کا نظم و ضبط سنبھالے رکھا اور متعدد لغادتوں میں بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں۔

اسی لئے ان کے عہد میں اسلامی بادشاہت میں پورے طور پر امن و سلامتی قایم رہی، اور لوگ ان کے تابع فرمان رہے، مگر ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے، جو خوشی سے ان کی ماتحتی میں نہیں آئے تھے، اور ان کی ماتحتی و حکومت کو ناپسند کرتے تھے، اس لئے وہ لوگ ان کی حکومت پر سخت نکتہ چینی کرتے تھے، بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حضرت معاویہ اب بوڑھے ہو رہے ہیں، اور چند روزہ مہمان ہیں، ان کے بعد جو والیِ خلافت ہوگا، وہ ان کی طرح طاقتور اور بارعب نہ ہوگا۔

اسی صورتِ حال میں یزید خلافت کا والی ہوا، اور مسلمانوں کے رو برو ان کا امیر بن کر آیا۔ اب کیا تھا، بغاوت اور جنگ کی طیاریاں شروع ہوگئیں، اور لوگ اس امر کا مظاہرہ کرنے لگے کہ، یزید کا جیسا شخص خلافت کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کی اطاعت کے لئے لوگوں کی گردنیں جھک سکتی ہیں، کیونکہ بزرگی و اخلاق سے وہ بالکل عاری تھا، اور مسلمانوں میں اس سے ہر اعتبار سے تقویٰ و بزرگی میں بڑھے ہوئے دوسرے لوگ موجود تھے۔

یزید نے اپنی حکومت کے تھوڑے ہی دنوں میں معاویہ اور خاندان امیہ کی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنا اور اپنی سلطنت کے کھمبے کو مضبوط کرنا چاہا، مگر حکومت کا ضبط و نظم اس کے بس کی چیز نہ تھی، اس لئے اس کا ضبط و نظم اور حفاظت اس کے لئے دشوار

وکٹھن ہوگیا، جس کی وجہ سے، اس کمزور سلطنت میں اس واقعہ کا پیدا ہونا ناگزیر تھا، جس کا صحیح اور باوثوق خاکہ اس کتاب میں ہم نے کھینچا ہے۔ اس واقعہ کی جو تصویر ہم نے کھینچی ہے، وہ بالکل ٹھیک اور اصل کے مطابق ہے، اس سے زیادہ اس واقعہ کی حقیقت تک رسائی قوت وامکان سے خارج ہے۔

غیر مسلم مورخین کا یہ خیال کہ جو حوادث یزید کے وقت میں پیدا ہوئے، وہ اس کے قابو واختیار سے باہر تھے، حقیقت کے خلاف اور نادرست ہے، ہمارے پاس ان کے اس قول کے خلاف بیشمار دلائل وثبوت موجود ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ، وہ اس امر میں صاحب اختیار اور اس کا ذمہ دار تھا، اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس حادثہ کا جس کے برے اثر کا اسلام اب تک خمیازہ بھگت رہا ہے، موجب وذمہ دار ہے۔

لمحۂ فکر

بنی ہاشم، قریش اور اُمیہ کے خاندان میں کچھ وہ لوگ تھے جو منصب خلافت حاصل کرنے کے بیحد متمنی تھے۔ ان لوگوں کے ذہن میں معاویہؓ کے انتقال کے بعد ہی سب سے پہلے یہ بات آئی کہ یہ ایسا وقت ہے جبکہ اپنی یا اپنے قبیلہ کی خلافت قائم کرنے کے لیے جو شخص بھی شدت سے اپنی آواز بلند کرے گا اُسی کو کامیابی حاصل ہوگی۔ قدرت کو اگر امن ہی باقی رکھنا ہوتا اور اُس کو یہ منظور ہوتا کہ یہ فسادات پیش نہ آسکیں تو حضرت معاویہ اپنے بیٹے یزید کو خلافت پر متمکن کرنے کی کوشش نہ کرتے بلکہ اس کے سوا کسی اور کو جو خلافت کا واقعی مستحق ہوتا خلافت پر فائز ہونے کا موقعہ دیتے۔ مگر تعجب خیز بات ہے کہ حضرت معاویہ جیسے مدبر شخص سے بھی اتنی بڑی غلطی کا صدور ہو گیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملسکتی۔

معاویہ ایسے آدمی نہیں تھے جو آدمیوں کے فرق مراتب کو نہ سمجھ سکتے ہوں۔ وہ یزید کی کمزوریوں سے خوب واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ یزید کسی طرح بھی خلافت کا مستحق اور اہل نہیں ہے مگر پھر بھی شفقت پدری کے جذبہ سے متاثر ہو کر انھوں نے یزید کو تخت خلافت پر فائز کرنے اور حکومت کے اختیارات سونپنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔

معاویہ نے غالباً یہ سوچا تھا کہ ان کے زمانہ کے صرف چار اکابر ملت تو ایسے ہیں جن سے اس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے کہ وہ یزید کی خلافت سے اختلاف کریں گے۔ ان کے علاوہ اور کسی کو یزید کی خلافت سے اختلاف کرنیکی جرأت نہ ہو گی اس لئے ان کو اس سلسلہ میں بڑی آسانی سے کامیابی ہو جائے گی۔ معاویہ نے اپنے نقطۂ نگاہ سے یہ سوچا تھا کہ خلافت پر اپنا سیاسی تسلط قائم رکھنے کے لئے یزید سب سے زیادہ موزوں شخص ہے۔ یہ خیال قائم کر کے معاویہ نے یزید کو وصیتیں کرنا شروع کر دیں۔ ان کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "معاویہ بن سفیان" کی آخری فصل میں کیا ہے۔

معاویہ نے یزید کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنے دور حکومت میں حسینؓ ابن علی، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے حتی الامکان کوئی تعرض نہ کرے۔ ان چار اشخاص میں سے عبداللہ بن زبیر بہت خطرناک آدمی ہیں۔ ان کا فتنہ بہت شدید ہو سکتا ہے اس لئے ان کے معاملہ میں زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ اگر کبھی جنگ کے شعلے بھڑکائیں تو ان کو جلد سے جلد فرو کرنے اور ان پر قابو پانیکی کوشش کرنا چاہیئے اور انکی طاقت کو پاش پاش کر دینا چاہیئے۔

کتب سیرۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن حضرت معاویہؓ نے یزید کو بہت سی حدیثیں سُنا کر سوال کیا، بتاؤ امیہ کے تخت حکومت پر فائز ہونے کے بعد تمہارا کیا رویہ رہے گا؟ یزید نے اس کا جواب دیا کہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کروں گا۔ معاویہ یہ جواب سنکر مسکرائے اور کہا "اگر تم ان غلطیوں کے ارتکاب سے محفوظ رہے جو خود مجھ سے سرزد ہوئیں تو تم معاملات خلافت کو انجام دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

عجیب معاملہ ہے جن ساتھیوں کے حُسن تدبر اور ان کے تعاون و بلند ہمتی سے معاویہ کو اپنی حکومت قائم کرنے میں مدد ملی تھی وہ سب ہلاک ہو چکے تھے اور ان میں سے یزید کے زمانہ میں ایک شخص بھی ایسا زندہ نہ رہا تھا جو اخلاص و صداقت کے ساتھ یزید کے ساتھ مل کر اسکی حکومت قائم رکھنے کے لئے کوشش کرتا۔ زیاد کی دفات ہو چکی تھی، مغیرہ بھی مر چکے تھے، عمرو بن العاص بھی زندہ نہ تھے۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، حمزہ بن مالک، شرجیل بن اسمط، حبیب بن مسلمہ اور عتبہ ابن ابی سفیان وغیرہ ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے معاویہ کے ساتھ مکمل تعاون کر کے معاویہ کی حکومت کی جڑیں مضبوط کی تھیں اور ان کا اثر و نفوذ پھیلانے میں پوری کوشش کی تھی۔ غرضکہ یزید کے دور میں اُن میں سے ایک شخص بھی زندہ نہ تھا۔ یزید کے دور میں جو لوگ تھے بھی تو وہ عبیداللہ بن زیاد جیسے فتنہ پرور لوگ تھے جو بصرہ میں حاکم کی حیثیت سے متعین تھا۔ حجاز و مدینہ

میں بھی اسی قسم کے لوگ یزید کے عامل تھے۔ حالانکہ یہ ایک نازک وقت تھا اور شور و شر ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ اس موقع پر کشادہ دل اور صائب الرائے لوگوں کی ضرورت تھی مگر واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۶۰ھ میں جبکہ یزید تخت خلافت پر بیٹھا تھا ابن سرجون النصرانی، ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کے علاوہ اور کوئی شخص یزید کے ارد گرد نہ تھا۔ مسلم بن عقبہ وہ شخص ہے جو تمام امور کو برطرف کر کے فلسطین چلا گیا تھا اور وہاں اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ یزید اس کو کب امور سلطنت کو بروئے کار لانے کے لئے بلاتا ہے، معاویہ نے مسلم بن عقبہ کے بارے میں یزید کو وصیت بھی کی تھی اور کہا تھا کہ یہ شخص بہت اچھا بہادر اور دلیر آدمی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ مسلم بن عقبہ کا فتنہ اسکی افادیت سے زیادہ بڑھا ہوا ہے، چنانچہ آگے چل کر یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہی مسلم بن عقبہ ہے جس نے مدینہ پر یزید کی طرف سے حملہ کیا تھا پھر امور سلطنت کے پاش پاش ہو جانے کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں وہاں یہ مسلم بن عقبہ بھی ایک سبب ہے اسکے بعد اُموی سلطنت کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا۔

یزید کے ایام طفلی

معاویہ کے زمانہ میں جو قبائل ملک شام میں آباد تھے ان میں معاویہ کی نگاہ میں بنو کلب اپنے حسب نسب، جاہ و دبدبہ اور قوت و سطوت کے لحاظ سے سب سے زیادہ باوقعت قبیلہ تھا۔ معاویہ نے اس قبیلہ کے سردار بہدل بن حنیف کی لڑکی میسون سے شادی کی تھی۔ یہ قبیلہ پہلے نصرانی مذہب کا پیرو تھا۔ ملک شام فتح ہونے کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسرے قبائل کے مقابلہ میں اس قبیلہ نے اسلامی فضا میں اپنا کافی اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ اس قبیلہ سے تعلق رکھنے والے دو ہزار آدمیوں کو ایک ایک ہزار کا سالانہ عطیہ ملا کرتا تھا۔ پھر یہ قبیلہ شہری اور بدوی دو طبقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک طبقہ نے شہریت کو اپنایا اور دوسرے طبقہ نے بدویت کو پسند کیا۔ یہ دوسرا طبقہ شام، حجاز اور عراق کے درمیانی صحراؤں میں اور مقام سماوہ میں جو تدمر و حمص

کے نواح میں ہے اقامت پذیر ہوگیا یہی یزید کا ننہالی خاندان ہے جس سے اسکی ماں میسون کا تعلق تھا۔

یزید کے سن پیدائش میں مورخین کا اختلاف ہے۔ زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ اسکی پیدائش ۲۲ھ یا ۲۷ھ میں مقام دمشق میں ہوئی، کیونکہ معاویہ نے اپنے حقیقی بھائی یزید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد اس مقام کو چھوڑ دیا تھا۔

یزید کی طفولیت کا زمانہ تدمر کے دیہاتوں میں آل بحدل کے ساتھ گزرا تھا اس لئے وہ ان دیہاتوں میں اپنے ننہالی عزیزوں کے ساتھ رہ کر بدوی زندگی اور اس کے تمام لوازمات یعنی سیر و شکار، لہو و لعب اور بادہ خوری وغیرہ کا بچپن میں ہی عادی ہوگیا تھا۔ کلبیوں میں شراب بالکل عام تھی اور اُن کے نزدیک یہ کوئی بُرا فعل ہی نہ تھا، کیونکہ اسلامی فتوحات سے قبل یہ لوگ نصرانی تھے جو عام طور پر شراب و کباب کے عادی ہوتے تھے، ان میں سے کچھ لوگ شراب و کباب کو کوئی بڑا گناہ یا کوئی زیادہ مضرت رساں چیز تصور نہ کرتے تھے۔

رؤساء عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے بچّوں کو دیہاتوں میں بھیجدیا کرتے تھے تاکہ وہ وہاں جاکر فصیح و بلیغ اور خالص زبان سیکھیں اور بدوی زندگی میں ان کے اندر فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہی ساتھ قوت و طاقت اور چستی و چالاکی بھی پیدا ہوسکے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ عرب کے رؤسا اپنے بچّوں کو دیہاتوں میں اس لئے بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ شہروں کی خراب آب و ہوا سے محفوظ رہ سکیں، چنانچہ بنی اُمیہ اور اُن کے علاوہ دوسرے صاحب شرف و عزت حضرات کے لئے دیہات تعلیم و تربیت کیلئے مدرسے بن گئے تھے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ دیہاتوں کے اس طرز پرورش کی طرف سے زیادہ مطمئن نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُن کا بیٹا یزید دیہات سے ۳۵ھ میں واپس آیا تو انھوں نے اس کو شعر و روایت، قرأت قرآن اور اسکی شروح کی تعلیم دینے کا خاص انتظام کیا۔ اور چونکہ اس زمانہ میں قرآن کی شروح و تفاسیر طبع نہیں ہوئی تھی اس لئے حضرت معاویہ نے اس کام کے لئے بعض فقہا کو متعین کیا تاکہ وہ یزید کو کماحقہ حدیث و قرآن کی

له ابوزرعہ دمشقی نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے (الطبقۃ العلیا ۔)

تعلیم دے سکیں۔ ان اساتذہ نے یزید کو سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی روایتیں پڑھائیں۔ یزید کو تاریخ کا فن بھی پڑھایا گیا جو اس زمانہ میں سیرت رسول اکرم صلعم اور ابتدائی فتوحات اسلامی پر بھی مشتمل تھی۔ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ یزید کو فن ہندسہ بھی سکھلایا گیا تھا۔ لیکن ہم صحیح طور پر نہیں بتا سکتے کہ یہ علم یزید نے کس حد تک پڑھا اور سیکھا تھا۔ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اسکے عہد میں علم ہندسہ کسی بڑے پیمانہ پر موجود نہ تھا۔ غالباً ابن عساکر کا مطلب یہ ہے کہ یونانی اور غیر یونانی کتابوں کا جو ترجمہ کیا گیا تھا اسی میں سے اس فن کے کچھ اصول یزید کو پڑھا دیے گئے ہوں گے۔

یزید کے اساتذہ ایک سے زائد تھے لیکن وہ سب ایسے تھے جن کے حالات کا کچھ علم نہیں ہے۔ لامنس جو ایک عیسائی مستشرق ہے اس نے تاریخ کے اس نقص پر افسوس ظاہر کیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ یہ ست ممکن ہے کہ یزید کا اُستاد کوئی عیسائی ہو۔ خود یزید نے اپنے بیٹے خالد کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک مسیحی کاہن کو مقرر کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یزید نے کسی عیسائی اُستاد سے بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہو۔

مسیحی اساتذہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے سلسلہ میں مختلف روایات ہیں اور یہ چیز کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی البتہ اس سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں حصول علم کے سلسلہ میں انتہائی وسعت قلب کے ساتھ غیر مسلموں سے بھی مدد لی جاتی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی تاریخ سے یہ حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ مسیحی اساتذہ مسلمانوں میں غیر مسلم معاشرت و تہذیب و تمدن پیدا کرنے کا مقصد اپنے سامنے رکھتے تھے۔ اس دور میں جبکہ ابتدائی طور پر فتوحات ہوئی تھیں اور مسلمان اُنکی زبان بھی نہیں جانتے تھے اور تراجم کے نہ ہونے کے باعث اس حقیقت سے واقف بھی نہ تھے اس لئے اس کا کوئی سدِ باب بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن جب کافی تراجم ہو گئے تو اس کے ساتھ ان علوم کا اضافہ کر دیا گیا جو اسلام کی روح و جان ہیں۔ اس بحث کو ہم تاریخ بنی اُمیہ کے باب میں اچھی طرح بیان کریں گے۔

حضرت معاویہ کا زمانۂ حکومت تقریباً چالیس برس تک رہا۔ بیس سال وہ بحیثیت

امیر کے رہے اور بیس سال تک خلیفہ کی حیثیت سے۔ حضرت معاویہ کے دور اقتدار میں علم و فن۔ تہذیب و معاشرت کا کافی اثر ہو چکا تھا اور ان کے زمانہ میں بڑی بڑی جماعتوں اور افراد کے مرتبوں کو اچھی طرح پہچان لیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت معاویہ نے جب یزید کو اپنے بعد خلافت کے منصب پر فائز کرنے کا ارادہ کیا تو اس کو ہر نوع کی تعلیم دلوانے اور اس کو ہر قسم کے علم سے مزین کرنے کی کوشش کی اور اسرار سیاست اور عمیق مسائل سے اس کو باقاعدہ واقف کرایا اور اس زمانہ میں جو عربی جماعتیں تھیں ان کے مدارج سے اسکو مطلع کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت معاویہ نے یزید کو یہ وصیت بھی کی۔

یاد رکھو! اہل حجاز تمہاری ہی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے ہی قرابت دار ہیں اس لئے ان میں سے جو شخص بھی تمہارے پاس آئے اس کا احترام کرو۔ اور جو شخص تمہارے ساتھ تعاون نہ کرے اس کو اپنی جگہ چھوڑ دو۔ جہاں تک اہل عراق کا تعلق ہے، یہ ہمیشہ اپنے عامل (گورنر) کو معزول کرنے کی درخواست کرتے ہیں چنانچہ جب کبھی انکی طرف سے کسی عامل کے معزول کرنے کا مطالبہ ہو تو فوراً اس کو معزول کر دو، کیونکہ لاکھوں تلواروں کا میان سے نکل آنے اور ایک معرکہ کے قائم ہو جانے کے مقابلہ میں ایک عامل (گورنر) کو معزول کر دینا بہت آسان بات ہے۔ اب اہل شام پر نظر ڈالو، ان کو ظاہری اور نمائش باتوں کا عادی رہنے دو۔ اگر ان میں سے کوئی دشمن تمہارے متعلق شک و شبہہ سے کام لے تو اس کو فوراً ختم کر دو۔ اور اگر تم کو کسی لڑائی پر کامیابی ہو تو ان کو پھر ان کے شہر کی طرف واپس کر دو کیونکہ یہ لوگ کسی دوسرے شہر میں قیام کرنے کے عادی نہیں ہیں اس لئے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ کسی دوسری تہذیب اور آداب سے واقفیت حاصل نہ کر سکیں گے۔"

حضرت معاویہ نے ایک بڑی دانشمندی کا کام یہ کیا تھا کہ انھوں نے اپنے زمانۂ حکومت میں اسلامی قلمرو کے وسطی علاقوں یعنی حجاز و عراق اور شام وغیرہ میں اپنی خیر خواہی اور بہی خواہی کا اثر قائم کر لیا تھا۔ اسکی وجہ سے مصر اور خراسان وغیرہ کی طرف سے کوئی ہنگامہ پیدا نہیں ہوا کیونکہ مذکورہ بالا وسطی علاقے جب مطمئن رہتے تھے تو گرد و نواح کے ہر ملک کی بغاوت وغیرہ کا کوئی خوف نہ رہتا تھا۔ انھوں نے اپنے اس دور اقتدار میں

اپنی سچائی اور دور اندیشی کا ثبوت بھی دیا تھا کیونکہ شورش کی آگ جب تک عراق و حجاز میں نہیں پھیلتی اطراف و جوانب کے ممالک میں بھی نہیں بھڑکتی اور جب وسطی علاقے مطمئن رہتے تو پوری اسلامی حکومت پُر سکون طریقہ سے قائم رہتی۔ معاویہ نے اپنے آخری زمانہ میں جب یزید کو اپنا ولی عہد بنا کر نمایاں کرنا چاہا تو اُس وقت سے اُنھوں نے یہ رویہ اختیار کیا تھا کہ وہ اُمورِ سلطنت میں یزید کی رائے و مشورہ لیتے اور اس کے کام کرنے پر اسکی بہت افزائی کرتے تاکہ یزید اس تربیت سے اس قابل ہو جائے کہ وہ انتہائی حُسن تدبیر کے ساتھ حکومت کا کام سنبھال سکے۔

یزید کا دورِ شباب

معاویہ کے تین لڑکے تھے ان میں یزید منجھلا لڑکا تھا۔ انکے پہلے لڑکے عبدالرحمٰن کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اور جو لڑکا یزید سے چھوٹا تھا وہ بالکل ضعیف الارادہ اور کمزور راستے کا تھا جس میں تحمل و بردباری بھی قطعی مفقود تھی۔ اس لئے یزید معاویہ کی نگاہ میں زیادہ محبوب بیٹا ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ معاویہ یزید کی مرضی اور خوشی کے خلاف اس کے کسی معاملہ میں بھی انصاف اور اعتدال کا راستہ نہیں نکال سکتے تھے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس کے باوجود کہ معاویہ انتہائی دور اندیش اور صاحب جلال و دبدبہ شخص تھے، اپنے بیٹے کی محبت اور شفقت کے جذبہ سے متاثر ہو کر اور چند اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اُنھوں نے یزید کو برسر اقتدار لانے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

یزید دمشق میں اپنے باپ معاویہ کے محل مختصر ہوتے کے ایک ایسے کمرہ میں رہا کرتا تھا جو معاویہ کے کمرہ سے بالکل قریب تھا۔

معاویہ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ یزید ان کے پاس بغیر اجازت حاصل کرے داخل ہو۔ معاویہ کے پاس صحابہ کرام کی آمد و رفت بھی رہتی تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ صحابہ میں سے کسی کو یہ بات معلوم ہو کہ یزید شراب خور و بادہ نوش ہے۔ اس کے ساتھ معاویہ کی کوشش یہ بھی کہ وہ یزید کی پوری نگرانی کر کے اُس کو لہو و لعب میں مصروف ہونے

لے ایک جلیل القدر صحابی اور کاتب وحی کو جو روایت بدنام کرنے والی ہو وہ قرآن و حدیث کے واضح احکام

سے باز رکھیں مگر معاویہ اس میں ناکام رہے۔ اُنھوں نے وعظ و نصیحت سے کام لینا چاہا مگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی اب اُنھوں نے یہ چاہا کہ زیاد کے ذریعہ یزید کو سمجھایا بجھایا جائے کہ تو ان حرکتوں سے باز آجا ورنہ معاویہ کے بعد خلافت کا اہل ثابت نہ ہوسکیگا۔

یہ واقعہ ہے کہ معاویہ نے یزید کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی نرمی برتنا نہیں چاہی کہ وہ محل میں اپنے ساتھ رقاصوں اور مغنیوں کو لائے۔ یزید بعض موقعوں پر نصف شب میں مغنیوں اور گانے والوں کو اپنے ساتھ لاتا اور اس میں ذرا خوف نہ کرتا تھا پھر معاویہ کو اس کا علم بھی ہو جاتا تھا۔ معاویہ اپنے ولی عہد کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کی بھی کوشش کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے باپ کی شفقت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا تھا۔

صاحب الفرید نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک روز یزید کے شراب پینے پر معاویہ نے اس کو ضرب تازیانہ کی سزا دی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ معاویہ جس قسم کی یزید کی تربیت کرنا چاہتے تھے اس کا پورا حق اُنھوں نے نہیں ادا کیا اور بالآخر آخری زمانہ میں وہ اس پر راضی ہو گئے کہ یزید لہو و لعب میں اگر پڑتا ہے تو پڑنے دو دوسری طرف خود یزید کے ذاتی خیالات یہ تھے کہ وہ حلم و بردباری پر ذرہ برابر ایمان نہ رکھتا تھا بلکہ اکثر اوقات وہ اپنے باپ پر سخت نکتہ چینی کیا کرتا تھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی و بردباری سے کیوں پیش آتے ہیں اور ان پر سختی کیوں نہیں کرتے ہیں۔ معاویہ اپنے امکان بھر یزید کو سیدھے راستے پر ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے اور اس کو دینی اتباع کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بردباری میں آدمی کو شرمندگی نہیں اُٹھانی پڑتی ہے۔ معاویہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس قسم کی نصیحتوں پر عمل کرنا یزید کیلئے مشکل نہیں ہے۔ مگر یزید اپنے باپ کی نصیحتوں سے تنگ آگیا اور باپ کے آخری زمانۂ حیات میں ایک دوسرے محل میں جا کر رہنے لگا تاکہ وہ آزادانہ زندگی کا لطف اُٹھا سکے۔ اس کے باوجود جب یزید نے دیکھا کہ اب بھی باپ کی نگاہیں اُسکی آزادی اور آوارگی پر لگی رہتی ہیں تو اس نے دمشق چھوڑ کر اس کے گرد و نواح میں جا کر سکونت اختیار کر لی تاکہ وہ اپنے باپ کی نگاہوں سے بالکل ہی دور ہو جائے۔

م ۔ دیدبان

سیر و تفریح اور لہو و لعب میں یزید کا اس قدر غرق ہونا اور اس بدوی زندگی میں برابر مست رہنا جو اُس کو اپنے ننھیالی خاندان بنی کلب سے ورثہ میں ملی تھی اس بات کو صاف ظاہر کرتا ہے کہ یزید سیاست میں کیوں ناکام رہا اور اُس کو حکومت کیوں راست نہ آئی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یزید اپنی زندگی کے یہ ایام کسی ایک ہی مقام پر نہیں گزارتا تھا، کبھی یہ غوطہ جاتا جہاں اس کے کئی مکانات بنے ہوئے تھے اور وہاں کچھ وقت گزارتا۔ اور کبھی تدمر کے نواح میں جہاں اس کے ماموں وغیرہ اقامت پذیر تھے جاکر اپنا وقت صرف کرتا تھا۔ غوطہ میں قیام کے دوران میں یزید کے پاس ایسے دوست واحباب کی آمد و رفت جاری رہتی جو لہو و لعب اور عیش و طرب کی زندگی کے عادی تھے اور جو خلافت یا نگرانی کرنے والوں کی پرواہ کئے بغیر طرح طرح کے آلات موسیقی کے ساتھ اپنے ہمراہ گانے بجانے والوں کو بھی لایا کرتے تھے۔ معاویہ کو ان تمام حالات کا علم ہوتا تھا مگر وہ پھر بھی خاموشی اختیار کرتے بلکہ بعض وقت بطور مصلحت کے یہ پسند کرتے کہ یزید دمشق سے باہر جاکر اپنی لہو و لعب کی زندگی گذارے تاکہ لوگ اس کے ان جرائم کی گرفت نہ کرسکیں اور نہ اس پر لہو و لعب کا الزام لگاسکیں۔

صاحب آغانی نے اپنی کتاب "المشہور" میں یزید کے حالات کا کچھ نقشہ کھینچا ہے، اس نے لکھا ہے کہ دمشق کا گرد و نواح یزید کے لہو و لعب کا مستقر تھا وہاں اس کے عیش و طرب اور رقص و سرود کے دلدادہ دوست واحباب کی آمد و رفت جاری رہتی۔ ان میں سے چند آدمیوں کے نام بھی اس نے لکھے ہیں اور جس قسم کے رقص و سرود اور عیش و طرب کی محفلیں قائم ہوئیں اور شعر و خطابت کی مجلسیں قائم ہوئیں اس کا حال بھی اُس نے لکھا ہے۔ یہاں ہم کو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جریر، اخطل اور قیس یزید کے خاص قصیدہ خواں اور مداح تھے نیز یہ کہ ان شعراء کو خاص خاص انعامات سے سرفراز کیا جاتا تھا۔

سنہ ۵۱ھ میں معاویہ یزید کی اس لہو و لعب کی زندگی دیکھ کر بہت پریشان اور مضطرب تھے اور جب عام طور پر یزید کے حالات پر نکتہ چینی اور اعتراض ہونے لگا تو معاویہ کی پریشانی اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔

لہ صحابہ کرام سے لوگوں کو بدظن کرنے کی خاطر دشمنانِ صحابہ نے ایسی روائتیں گھڑیں اور عقائد اسلامیہ سے

آخر کار معاویہ نے یزید کو حج کے لئے بھیجنے کا فوراً انتظام کیا جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ یزید حج کرنے کے بعد مسلمانوں کی نگاہ میں ایک سچا متقی اور پرہیزگار آدمی سمجھا جانے لگے۔ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ چونکہ مکہ اور دمشق میں کافی فاصلہ تھا اور راستہ بھی انتہائی دشوار گزار۔ اس لئے یزید نے سفر کی دشواریوں کو ہلکا کرنے کے لئے اپنے ہمراہ شراب رکھ لی اور اخطل شاعر کو لے کر حج کے لئے روانہ ہوا۔ اس کا بھی یقین کیا جاتا ہے کہ اخطل کے علاوہ بعض دوسرے شعراء اور مغنی بھی یزید کے ہمراہ گئے تھے۔ لیکن مورخین اخطل کے سوا کسی کا ذکر نہیں کرتے۔ مورخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ حج یزید نے اپنے منشا دے کیا تھا کہ جب وہ حج کر کے واپس آئے تو اس کو اور بھی زیادہ عیاشی اور آزادی کا موقعہ مل جائے۔

یزید کا خلافت کے عہدہ پر فائز الّرام ہونا

ماہ رجب سنہ ۶۰ھ میں یزید اُمور سلطنت کا مختار کل بن کر تخت خلافت پر قابض ہو گیا لیکن خلافت کے منصب جلیل پر یزید کا آنا مسلمانوں کو ناگوار گزرا۔ ان میں احساس پیدا ہوا کہ جو شخص انکی قسمتوں کا مالک بن کر تخت خلافت پر بیٹھا ہے وہ دراصل اس کا کسی طرح مستحق نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ایسے اکابر ملت موجود ہیں جو اپنے حُسن اخلاق اور اعلیٰ صفات واطوار کے لحاظ سے خلافت کے کہیں زیادہ مستحق ہیں۔ یہ وہ اکابر ملت ہیں جنھوں نے اسلام کے راستہ میں بیحد مصائب و شدائد کا مقابلہ کیا ہے اور علم و عمل اور حسب ونسب وغیرہ کے اعتبار سے بھی وہ بہت بلند مرتبہ ہیں اور اس بنا پر مسلمانوں کے قلوب پر ان کا اثر بھی موجود ہے۔

بہرحال اگرچہ یزید مسلمانوں کی قسمت کا مالک بن کر بیٹھ گیا مگر اسکی حکومت چند سال سے زیادہ قائم نہ رہ سکی۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں وہ حرکات کیں کہ جن سے کوئی بھی مسلمان خوش نہ تھا اور ہر شخص کے دل میں اس کے خلاف جذبہ انتقام پیدا ہو گیا تھا اسی بناء پر اس کے دورِ حکومت میں زبردست فتنے رونما ہوئے اور اس کا پورا دورِ حکومت پُر از فتن رہا۔ ایک طرف اگر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ بپا ہوا تو دوسری طرف

مدینہ منورہ کی حرمت کو ختم کر کے اس پر زبردستی قبضہ کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ پر محاصرہ کرنا کوئی معمولی فتنہ نہ تھا ان میں سے ہر ایک فتنہ ایسا تھا جو اگر کسی بھی بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوتا تو اسکی حکومت کسی طرح باقی نہیں رہ سکتی اور نہ اُس کو کوئی اچھا سمجھ سکتا۔ یزید کے دور حکومت کی کشمکش کی یاد صدیوں تک باقی رہیگی۔

یورپ کے غیر مسلم مستشرقین اپنے زور بیان اور جوش کلام کے ساتھ یزید کے حلم و بردباری علم ولیاقت اور سیاست کے راگ الاپتے رہتے ہیں مگر اس کو عرب مورخین نے کبھی صحیح نہیں سمجھا۔ ان مستشرقین میں لامنس سب سے زیادہ جوش وخروش سے کام لیتا ہے جس نے یزید کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھ ماری ہے اس کتاب میں لامنس نے تمام رطب و یابس کو جمع کیا ہے اور یزید کے زمانہ کے تمام حالات اس طرح غلط طریقہ سے پیش کیے ہیں کہ وہ کسی طرح بھی اپنے اندر معقولیت یا جاذبیت نہیں رکھتے۔ ایک اور غیر مسلم مستشرق ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

"یزید کے دور سے پہلے معاویہ اور اُمیہ کے خاندان والوں سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں اور ان کے باعث جو ایک آگ لگی ہوئی تھی اس کو یزید نے ہی فرو کیا اور وہ اضطراب و انتشار کا فتنہ جو لوگوں کے سینوں میں پک رہا تھا یزید کے زمانہ میں بیدار ہوا مگر یزید نے اس کو بھی اپنی تشدد کی پالیسی سے ختم کر کے رکھدیا گویا یزید نے اس طرح ان تمام غلطیوں کا کفارہ ادا کر دیا جسکی آگ اس سے پہلے تمام ممالک اسلامی میں پھیل رہی تھی"

مگر ظاہر ہے کہ اس قسم کی تنگ بندیوں سے یوروپین مستشرق یزید کو خلافت کا اہل کسی صورت میں ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔

یزید موٹا تازہ دوہرے بدن کا آدمی تھا۔ اس کے جسم پر بال بہت زیادہ تھے جس دن معاویہ کا انتقال ہوا اسی دن اپنے باپ کے جانشیں کی حیثیت سے یزید کی خلافت کے لئے لوگوں سے بیعت لی گئی۔ یزید کے سامنے جو سب سے زیادہ بڑی مہم تھی وہ یہ تھی کہ جن لوگوں نے معاویہ کے سامنے یزید کی خلافت پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا ان سے وہ اپنے ہاتھ پر بیعت کرائے۔ سب سے پہلے وہ اسی کام سے فراغت حاصل کرنا چاہتا تھا

چنانچہ اس نے ولید ابن عتبہ کو جو مدینہ کا گورنر تھا لکھا کہ معاویہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شرف و عزت اور خلافت سے سرفراز کیا تھا، عزت و اقتدار کے ساتھ انھوں نے زندگی گزاری اور قضاء الٰہی سے وقت مقررہ پر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اللہ ان پر اپنی رحمت نازل کرے۔ معاویہ کی زندگی قابل تعریف گزری اور نیکی اور تقویٰ کی حالت میں انتقال کیا۔ اس کے بعد دوسرا خط ولید ابن عتبہ کو لکھا جس میں درج تھا کہ "حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ ابن زبیر سے زبردستی خلافت پر بیعت لو، جبتک یہ لوگ بیعت نکریں ان کو کوئی خلاصی نہ دی جائے، والسلام۔"

جب ولید کو معاویہ کی وفات کی خبر یزید کے خط سے معلوم ہوئی تو اس نے مروان ابن حکم کے پاس (جو ولید سے پہلے مدینہ کا گورنر رہ چکا تھا) اپنا آدمی بھیجا اور اس سے ان لوگوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں مشورہ کیا۔ مروان ابن حکم نے ولید ابن عتبہ کو یہ مشورہ دیا کہ ان لوگوں کو فوراً بلوا کر بیعت لے لی جائے۔ مزید براں اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ عبداللہ ابن عمر کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ وہ قتل و قتال کو پسند نہ کریں گے مگر حسین اور عبداللہ ابن زبیر کے پاس جلد از جلد آدمی بھیجکر اور ان کو بلوا کر بیعت لے لو، اگر یہ لوگ بیعت کرنے سے انکار کریں تو فوراً انکی گردنیں قلم کرا لو۔

اس مشورہ کے مطابق ولید نے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو جو ایک کم عمر لڑکا تھا امام حسین اور عبداللہ بن زبیر کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ ان دونوں حضرات کو بلا کر لے آئے۔ یہ لڑکا ان حضرات سے مسجد میں ملا۔ دونوں نے اس سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ، یہکر امام حسینؓ کھڑے ہو گئے، ان کے ساتھ ان کے کچھ اصحاب بھی کھڑے ہو گئے اور سب کے سب ولید سے ملنے چل دیے۔ امام حسینؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جس وقت تک میں مکان میں رہوں تم لوگ دروازہ پر میرا انتظار کرتے رہنا۔ اگر میں کسی وقت بلاؤں یا تم میری آواز سُنو تو فوراً دروازہ کھول کر میرے پاس پہنچ جانا۔ اور اگر میں نہ بلاؤں اور نہ تم میری آواز سُنو تو میرے مکان سے باہر نکلنے تک کھڑے رہنا۔

حضرت امام حسینؓ ولید کے پاس پہونچے ولید کے پاس مروان بن حکم بھی موجود تھا

ولید نے یزید کا خط حضرت امام حسینؓ کو پڑھکر سنایا اور معاویہ کی وفات کی خبر بھی سنائی۔ امام حسینؓ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ معاویہ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ جہاں تک بیعت کا معاملہ ہے مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ جب تم باہر نکل کر لوگوں کو اسی طرح بیعت کی دعوت دوگے جس طرح تم نے مجھے دعوت دی ہے، تو اس وقت ایک مناسب صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت امام حسینؓ جب مکان سے چلے گئے تو مروان نے ولید سے کہا کہ "دیکھو تم نے میری بات نہ مانی۔ امام حسینؓ سے اُس وقت تک بیعت نہیں لی جا سکتی جب تک تمھارے اور ان کے درمیان ایک زبردستی خونریزی نہ ہو جائے۔

ولید نے مروان کو جواب دیا "تیرا بُرا ہو کیا تم حسینؓ کے قتل کا مجھے مشورہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم قیامت کے روز امام حسینؓ کے خون کا جواب دینا ہوگا"

امام حسینؓ اپنے مکان پر واپس آئے اور ایک رات وہاں قیام کیا یہ واقعہ ۲۷ رجب سنہ ۶۰ھ یوم شنبہ کی رات کا ہے۔ اس کے بعد ولید، عبداللہ بن زبیر سے یزید کی خلافت پر بیعت لینے کے لئے خط و کتابت کرنے میں مصروف ہو گئے اور امام حسینؓ کے معاملات سے یکسو ہو گئے۔ عبداللہ بن زبیر سنیچر کی رات میں مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف چل پڑے۔ ولید نے ان کے تعاقب میں کچھ لوگوں کو صبح ہوتے ہی بھیجا، مگر وہ آگے نکل چکے تھے اور اُن لوگوں کے ہاتھ نہ آسکے۔ اتوار کی رات کو امام حسینؓ بھی مدینہ چھوڑ کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ محمد بن حنفیہ کے علاوہ امام حسینؓ کے بھائی، بہن اور بھتیجے اور دوسرے اہل بیت سب کے سب امام حسینؓ کے ساتھ مکہ پہونچ گئے۔ عبداللہ بن زبیر اور امام حسینؓ کے نکلنے کے بعد ولید نے عبداللہ بن عمر سے بیعت کے لئے کہا۔ عبداللہ بن عمر نے بیعت کر لی۔ انکے علاوہ عبداللہ بن عباسؓ نے بھی بیعت کر لی۔ امام حسینؓ ۳ شعبان کو جمعہ کی شب میں مکہ میں داخل ہوئے اور شعب علی میں قیام کیا۔ اہل مکہ اور وہ لوگ جو عمرہ کرنے کے لئے مکہ آئے ہوئے تھے اور ان کے علاوہ گرد و نواح کے لوگ حضرت امام حسینؓ کے پاس آنے لگے، جوق در جوق لوگوں نے آکر امام حسینؓ کے پاس ہجوم کرنا شروع کر دیا۔ اور عبداللہ بن زبیر کو چھوڑ دیا۔

حالانکہ اس سے پہلے عبداللہ بن زبیر کے پاس لوگ ہجوم کیا کرتے تھے، ابن زبیر نے کعبہ کے اندر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور کعبہ کے طواف میں مصروف رہنے لگے، امام حسینؓ صبح و شام وہاں آیا کرتے تھے، امام حسینؓ اور عراق کے ان لوگوں کے درمیان جو امام حسینؓ کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، ہمیشہ سے بہترین تعلقات قائم تھے۔ عراق کی یہ جماعت امام حسینؓ کے پاس اپنے مسلسل خطوط بھیج رہی تھی جن میں لکھا جاتا تھا کہ امام حسینؓ عراق اگر خلافت کا مطالبہ کریں ہم لوگ ان کے ساتھ تعاون کریں گے اور دشمنوں کو زیر کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ عراق کی اس جماعت کے قاصد امام حسنؓ کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی امام حسینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ امام حسینؓ اس کے جواب میں ہمیشہ یہی نصیحت کرتے رہتے کہ صبر و انتظار سے کام لیا جائے۔ معاویہ سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی زندگی میں کوئی ہنگامہ نہ ہوگا۔ امام حسنؓ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کیا اور جو عہد کیا اس پر قائم رہے۔ لیکن معاویہ کے جو عمال (گورنر) مدینہ منورہ میں آئے وہ ہمیشہ معاویہ کے پاس مختلف قسم کی خبریں پہونچاتے رہتے، چنانچہ امام حسینؓ کے متعلق یہ لکھا گیا کہ وہ ہنگامہ و احتجاج پر آمادہ ہیں اور فتنہ برپا کرنے کے لئے کمربستہ ہیں مگر معاویہ اپنے عمال کو یہی حکم دیتے کہ وہ امام حسینؓ کے ساتھ کوئی تعرض نہ کریں اور ان کو اپنی حالت پر رہنے دیں مگر انکی نگرانی کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ ہی معاویہؓ امام حسینؓ کے پاس تحفہ تحائف بھی بھیجتے رہے اس سلسلہ میں سال میں تقریباً ایک[۱] لاکھ درہم امام حسینؓ کو دیے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو لوگ امام حسینؓ اور اہل بیت کے طرفدار تھے وہ سب سے زیادہ پرجوش تھے۔ کوفہ کے طرفداروں نے جب معاویہؓ کے انتقال کی خبر سنی اور یہ معلوم کیا کہ امام حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا اور مکہ میں آکر مقیم ہوگئے ہیں تو یہ سلیمان بن صرد الخزاعی کے مکان میں جمع ہوئے، سلیمان نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ امام حسین مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آگئے ہیں، تم انکی اور اُن کے والد کی جماعت سے تعلق رکھتے ہو، اگر تم کو کمزوری اور شکست کا خوف ہو تو امام حسینؓ کو دھوکے میں نہ رکھنا۔

---

[۱] یہ رقم اس شرط پر دی جاتی تھی جو امام حسین اور معاویہ کے درمیان طے ہوئی تھی۔

سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔ "نہیں ہم امام حسینؓ کے دشمنوں سے جہاد کریں گے اور ان کے لئے ہم اپنی جانیں وقف کر دیں گے۔

مذکورہ بالا مضمون کا ایک خط لے کر اس جماعت کے دو آدمی ۱۰ رمضان المبارک کو مکہ امام حسینؓ کے پاس پہونچے۔ ادھر اس کے دو دن کے بعد کوفہ کی بھی ایک جماعت تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لیکر وہاں پہنچی۔ ان تمام خطوط میں امام حسینؓ کو کوفہ پہونچنے کی دعوت دی گئی تھی۔ امام حسینؓ نے معاملہ کے ہر پہلو پر گفتگو کی اور معاملات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اہل کوفہ نے دو دن تک جواب کا انتظار کیا مگر جواب نہ آنے پر ایک اور جماعت کو مذکورہ ذیل مضمون کا خط لیکر امام حسینؓ کے پاس بھیجا:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط امام حسینؓ کے ان طرفداروں کی طرف سے ہے جو ایمان اور اسلام پر قائم ہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ کے سوا اور کسی سے وہ اتفاق نہیں کرتے اس لئے آپ بہت جلد جواب سے مطلع فرمائیے اور جلد آنے کی کوشش کیجئے۔ والسلام

اس کے بعد ایک اور خط اہل کوفہ نے لکھا جس میں تحریر تھا کہ:۔

"بعد حمد وصلوٰۃ کے عرض ہے کہ باغات سرسبز ہیں اور میوے پک چکے ہیں پس جب بھی آپ چاہیں یہاں تشریف لائیں آپ کو ایک مسلح فوج تیار ملیگی۔ والسلام"

غرضکہ بیشمار خطوط اور جماعتیں امام حسینؓ کے پاس آنے لگیں۔ امام حسینؓ نے ان خطوط کو پڑھا اور خطوط لانیوالوں سے حالات کی تفتیش کی۔ اس کے بعد امام حسینؓ نے ایک خط لکھ کر ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں بزرگ سب سے آخری قاصد ہیں۔

اس خط کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین ابن علیؓ کی طرف سے مسلمانوں کی ایک جماعت کی خدمت میں۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے کہنا یہ ہے کہ تم لوگوں نے جو حالات لکھ کر بھیجے ہیں ان سے آگاہی ہوئی۔ میں تمہارے پاس مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں جو میرے چچا کے لڑکے اور میرے

گھر کے ایک معتمد شخص ہیں، ان سے میں نے کہا ہے کہ وہ وہاں پہونچکر تم لوگوں کے حالات اور خیالات کی تفتیش کریں اور جو صحیح صورت حال ہو اس سے مطلع کریں۔ اگر مسلم بن عقیل نے ہم کو یہ لکھا کہ تمھاری جماعت اور اہل عقل لوگوں کی وہی رائے ہے جو ہم نے تمھارے خطوط سے پڑھ کر معلوم کی ہے تو میں تم لوگوں کے پاس ضرور آؤں گا۔ انشاء اللہ تمھارا امام (مقتدی) کتاب اللہ پر عمل پیرا، انصاف کا قائم کرنے والا۔ حق پر عمل کرنیوالا اور اللہ کی ذات پر اپنی نفسانیت کو قربان کر دینے والا ثابت ہوگا۔ والسلام"

مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے سے امام حسینؓ کا مقصد یہ تھا کہ وہ صحیح طور پر اہل کوفہ کی پوزیشن کو سمجھ لیں اور وثوق کے ساتھ معلوم کر لیں کہ اس جماعت کی تعداد کتنی ہے اور یہ لوگ ہمارے ساتھ کس حد تک تعاون کر سکتے ہیں۔ امام حسینؓ کے ساتھیوں نے امام حسینؓ کے اطمینان نہ کرنے اور ان کے وعدوں کا یقین نہ کرنے میں اور بھی زیادہ غلو سے کام لیا۔ کیونکہ انھیں اہل کوفہ نے امام حسینؓ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ کی مدد میں بڑی لیت و لعل سے کام لیا تھا اور امام حسنؓ کے ساتھ بھی غداری کی تھی اس لئے یہ بات بعید نہ تھی کہ اہل کوفہ امام حسینؓ کے ساتھ بھی یہی حرکت کریں۔ اسی مقصد کے پیش نظر مسلم بن عقیل کو بھیجا گیا تھا تاکہ وہ بذات خود حالات کی صحیح جانچ پڑتال کریں اور جو صحیح صورت حال ہو اس سے وہ باخبر کریں۔

مسلم بن عقیل مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے اور جب وہ کوفہ پہونچے تو مختار بن ابی عبید اللہ کے مکان میں قیام کیا۔ مختار کے مکان پر بلانے والوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ مسلم نے ان لوگوں کو امام حسینؓ کا خط پڑھ پڑھ کر سنانا شروع کر دیا چنانچہ مورخین کے بیان کے مطابق تقریباً اٹھارہ ہزار آدمیوں نے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی نعمان بن بشیر اس زمانہ میں کوفہ کا گورنر تھا، اس کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے منبر پر کھڑے ہو کر بیان کیا:۔

"بعد حمد و صلوٰۃ کے عرض ہے کہ خدا کے بندو اللہ سے ڈرو اور فتنہ و افتراق کی طرف نہ دوڑو اس میں لوگوں کی ہلاکت اور زبردست خونریزی اور اموال کی تباہی ہے۔ میں کسی سے

مقابلہ کرنا نہیں چاہتا مگر جو شخص مجھ سے مقابلہ کریگا اس کا مقابلہ ضرور کرونگا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے اُوپر حملہ کرے اور اس کے جواب میں مجھے بھی حملہ کرنا پڑے، اسلئے سُن لو اگر تم میں سے کسی نے بھی بیعت توڑ کر روگردانی کرنے کی ہمت کی تو میں اس کا بالکل خاتمہ ہی کردوں گا اور اپنی تلوار کو اس وقت تک کام میں لاؤں گا جبتک اس کا دستہ میرے ہاتھ میں رہیگا"

نعمان ایک بردبار اور پرہیزگار آدمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بنی اُمیہ کے ایک شخص نے نعمان پر یہ اعتراض کیا کہ آپکی یہ رائے کمزور آدمی کی رائے ہے تو نعمان نے اس کا جواب دیا کہ اللہ کی اطاعت میں اگر کوئی کمزوری اختیار کی جائے تو وہ اس قوۃ و سطوۃ سے میرے نزدیک زیادہ اچھی ہے جو معصیت میں مبتلا ہو کر حاصل کیجائے۔

بہرحال اس شخص نے یزید بن معاویہ کو اس امر کی اطلاع دیدی کہ مسلم بن عقیل نے کوفہ پہونچکر لوگوں سے بیعت لینا شروع کردی ہے اور نعمان کے اندر کمزوری پائی جاتی ہے۔ اس شخص کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی یزید کو اسی قسم کی تحریریں بھیجیں۔ یزید بن معاویہ کے پاس جب اس قسم کے مسلسل خطوط پہونچے تو اس نے سرجون[ل] سے اس معاملہ میں مشورہ کیا، اُس نے مشورہ دیا کہ کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کو گورنر بنا کر بھیجدو، عبید اللہ اس سے پہلے بصرہ کا گورنر تھا۔ یزید نے عبید اللہ کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا گورنر بنادیا اور پھر ابن زیاد کو حکم دیا کہ وہ کوفہ پہونچے اور مسلم کی گرفتاری یا قتل یا کوفہ سے باہر نکال دینے کا انتظام کرے۔ یزید کا خط جوں ہی عبید اللہ کو ملا اس نے اپنے نئے مستقر کوفہ میں فوراً پہونچنے اور وہاں ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح لیس کیا۔

اسی درمیان میں امام حسینؓ کا ایک خط جو اُن کے غلام سلیمان نامی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا بعض شرفاء بصرہ کے پاس پہونچا۔ اس میں اہل بصرہ سے تعاون اور اطاعت کرنے کے لئے لکھا گیا تھا۔ بعض اہل بصرہ نے اس پر لبیک بھی کہا اور بذریعہ خط امام حسینؓ کو مطلع کرنا چاہا کہ اہل بصرہ تعاون و اطاعت کے لئے تیار ہیں مگر ان میں منذر بن جارود کو جسکی لڑکی عبید اللہ کو

[ل] سرجون مذہبی اعتبار سے عیسائی تھا اور حضرت معاویہؓ کا خاص آدمی تھا۔ ۱۲

منسوب تھی یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کا پتہ عبیداللہ کو نہ لگ جائے۔ اس اندیشہ کی بنا پر منذر نے عبیداللہ کو اسکی خبر کر دی اور عبیداللہ نے فوراً قاصد کو گرفتار کر کے اس کو سولی پر چڑھا دیا اور منبر پر کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد کہنا یہ ہے کہ امیر المومنین[1] نے مجھے کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا ہے۔ میں یہاں سے کل صبح کے وقت آؤں گا۔ میں اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو اپنی جگہ متعین کرتا ہوں، تم لوگوں کو عدول حکمی اور سرکشی سے باز رہنا چاہیئے۔ اُس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اگر مجھے کسی شخص کے بارے میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ اُس نے سرکشی کی ہے تو میں اُس کو اور اس کے جان پہچان والے کو اور اُس کے حمایتی کو موت کی نیند سُلا دوں گا، اور ہر معمولی بات کو بھی بہت زیادہ غیر معمولی سمجھوں گا۔ اور تم دیکھ لوگے کہ تم میں سے کوئی بھی سرکشی کرنے والا زندہ نہ بچے گا۔ یاد رکھو! میں ابن زیاد ہوں۔ اگر مجھے کسی کے متعلق ذرا بھی شبہ ہوا میں اس کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالوں گا۔"

اس سے پہلے کہ ابن زیاد کوفہ روانہ ہو اُس نے یہ ارادہ کیا کہ پہلے بصرہ کے حالات کو درست کر لیا جائے، اور یزید نے اُس کو جو ہدایات بھیجی ہیں اُن کو نافذ کر لیا جائے۔ چنانچہ اُس نے تشدد اور دھمکی، سختی و نرمی ہر طرح سے اپنا مقصد پُورا کیا اور وہ اپنے خیال میں اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔

ابن زیاد کوفہ میں

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عبداللہ سے پہلے کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا جو نیک اور صالح اور بنی اُمیہ کا اطاعت گزار تھا، نیز وہ بنی اُمیہ سے عرب کی عہد شکنی کو بھی بُرا سمجھتا تھا لیکن وہ اہل بیت اور انکی جماعت کی سیاسیات کے سلسلہ میں نرم اور مکرو سے دور رہنا چاہتا تھا اور اس چیز کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس کے عہد میں اہل بیت یا انکی جماعت میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہونچے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلم بن عقیل کوفہ پہونچے تو نعمان نے ان کے وجود

---

[1] یعنی یزید بن معاویہ ۱۲

سے ظاہر لاعلمی ظاہر کی۔ اس بات کو بنی امیہ کے حامیوں نے بری نگاہ سے دیکھا اور انہوں نے نعمان کی اس چشم پوشی اور نرمی و کمزوری کی پوزیشن کو یزید کے پاس لکھ کر بھیجدیا۔ یزید نے ابن سرجون کی رائے معلوم کی اور ابن سرجون کی رائے کے مطابق نعمان کی جگہ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجدیا۔

سرجون نے یزید کو مشورہ دیا اور کہا کہ:۔

"کیا میں تم کو ایسی بات بتلاؤں جو معاویہ نے کہی تھی اور جو اُن کی رائے تھی؟"

یزید نے کہا "ضرور"

سرجون نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو ابن زیاد کو بلا بھیجو، کیونکہ معاویہ نے ابن زیاد سے اپنی وفات سے پہلے اس چیز کا وعدہ کیا تھا۔"

عبیداللہ بن زیاد ایک مضبوط، تندرست اور طاقتور جوان تھا۔ معاویہ کی وفات سے پہلے شروع میں اُس کو خراسان کا والی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس نے اپنی ولایت کے زمانہ میں بڑی بہادری، دلیری، قوت اور مضبوطی کا مظاہرہ کیا تھا اور ان اضلاع میں دو برس تک ترکوں نے کامیاب جنگ کی تھی، خراسان کی گورنری کے بعد اُس کو بصرہ کا گورنر بنا دیا گیا اور جب زیاد بن امیہ کی وفات ہوئی تو خوارج نے سر اُٹھایا۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان خوارج سے جنگ و جدل کی اور ان کو قتل و غارت کر کے شہروں سے باہر نکال کر ان کا قلع قمع کیا۔

عبیداللہ اپنے باپ کے مقابلہ میں فصاحت و بلاغت میں تو کم تھا مگر قوت و سطوت کے لحاظ سے زیادہ تھا، جب یزید نے ابن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر بنا دیا تو وہ اس سرے سے اُس سرے تک پورے عراق کا والی اور نائب السلطنت بن گیا۔

ابن زیاد بصرہ کے چند سربرآوردہ لوگوں کی رکاب میں صبح کو ایسے وقت کوفہ پہونچا جبکہ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ جب وہ کوفے میں داخل ہوا تو کالے رنگ کا ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا جو اس کے جبڑوں کو کسے ہوئے تھا۔ کوفہ والوں کو یہ خبر معلوم ہوئی تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ پہونچنے والے ہیں۔ جب ان لوگوں نے ابن زیاد کو اپنی جماعت کے

سامنے آتے ہوئے دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ امام حسینؓ اور ان کے ساتھی آرہے ہیں اس لئے ان میں سے جو شخص بھی ابن زیاد کی جماعت سے ملتا تو ان کو سلام علیک کہتا اور یہ دعا دیتا کہ اے رسول اکرم کی بیٹی کے بیٹے (رسول اللہ کے نواسے) آپ کا آنا مبارک ہو۔

ابن زیاد اسی حالت میں دار الامارت تک بغیر کچھ بات کیے چلا آیا مگر اس کو یہ چیز ناگوار گزر رہی تھی کہ امام حسینؓ کی آمد کے مغالطہ میں خوشخبری سنائی جا رہی ہے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر ہجوم کر کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ نعمان ابن بشیر نے جب لوگوں کا یہ ہجوم دیکھا تو انھوں نے اپنے محل کا دروازہ بند کروا دیا۔ عبید اللہ بن زیاد اور یہ پورا ہجوم شور مچاتا ہوا دروازہ پر پہونچا تو نعمان نے دروازہ اندر سے بند کر کے کہا۔

تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم آگے نہ بڑھو۔ خدا کی قسم میں تم کو نہ امان دینا چاہتا ہوں اور نہ میں تم سے قتال و جدال کرنا چاہتا ہوں

عبید اللہ ابن زیاد نے کہا " دروازہ کھولو رات زیادہ ہو گئی ہے "

اس کے پیچھے والے شخص نے اسکی آواز پہچان لی اس نے پلٹ کر لوگوں سے کہا لوگو! یہ تو ابن مرجانہ (ابن زیاد) ہے۔

نعمان نے جب ابن زیاد کی آواز سنی تو دروازہ کھول دیا، ابن زیاد مکان میں داخل ہو گیا اور پھر دروازہ بھی بند کر دیا گیا اور لوگ منتشر ہو گئے۔

ابن زیاد نے یہ مناسب سمجھا کہ جلد سے جلد ان حوادثات کا مقابلہ کر لیا جائے۔ صبح ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے منادی کرنیوالے کو بھیجکر صلوٰۃ جامعہ کی ندا بلند کرائی کیونکہ نئے امیر کے لئے یہ قاعدہ تھا کہ وہ نماز میں سب کو بلوا کر اپنی امارت کا اعلان کرے اور مسجد میں منبر پر کھڑا ہو کر تقریر کرے اور اپنی سیاست اور خیالات سے حالات کے مطابق لوگوں کو باخبر کرے۔

چنانچہ لوگ صبح کی نماز میں جمع ہوئے، ابن زیاد آیا اور منبر پر چڑھ گیا۔ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا کہ " امیر المومنین نے تمہارے شہر تمہاری سرحد اور تمہاری جماعت پر مجھے والی بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں مظلوم کے ساتھ انصاف کروں۔ صاحب حق کو حق دلواؤں اور

جو تم میں سے اطاعت و فرمانبرداری کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں میں امیرالمومنین کے اس حکم کو بجالانا چاہتا ہوں، اور ایک شفیق باپ کی طرح میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔

لیکن جو شخص میرے حکم کو نہیں مانے گا اور میرے عہد کو توڑنے کا ارادہ کریگا اس کے لئے میری تلوار اور کوڑا ہو گا۔

ابن زیاد یہ تقریر کر کے منبر سے اُتر گیا۔ نعمان ابن بشیر یہاں سے کوچ کر کے چلے گئے اس کے بعد ابن زیاد نے کوفہ کے لوگوں کے ساتھ بڑی سختی شروع کر دی اس نے کہا تم میں سے جو لوگ بھی یہاں موجود ہیں خواہ وہ پردیسی ہوں، یا امیرالمومنین کے خیر خواہ اور خواہ جماعت حروریہ سے تعلق رکھنے والے ہوں یا جماعت خوارج سے تعلق رکھنے والے سب کو چاہیئے کہ وہ اس بات کی دستاویز لکھ کر دیں کہ وہ کسی قسم کی مخالفت یا بغاوت نہیں کریں گے۔ جو لوگ اس قسم کی دستاویز لکھ کر پیش کریں گے انکی جان و مال کی ذمہ داری ہمارے اُوپر ہو گی اور جو لوگ اس سے روگردانی کریں گے انکی جان و مال ہمارے لئے حلال ہو گا۔ اور جو لوگ دستاویز لکھنے کے بعد بھی کسی قسم کی بغاوت پر آمادہ ہو گا تو اُس کو اس کے دروازہ پر سولی دیدی جائیگی اور اسکی یہ دستاویز باطل قرار دیجائیگی۔

مسلم بن عقیل کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابن زیاد کوفہ میں گورنر بن کر آگیا ہے اور اُس نے لوگوں کے سامنے یہ خیالات تقریر کے ذریعہ ظاہر کئے ہیں اور لوگوں کی بڑی سخت گرفت کی ہے، تو وہ شام کے جھٹ پٹے میں اس مکان سے جس میں ان کا قیام تھا نکل کر ہانی بن عروہ المرادی کے مکان سے چلے گئے۔ ہانی بن عروہ اہل کوفہ میں سر برآوردہ آدمی تھے۔ مسلم بن عقیل نے ان کو مکان سے بلوا کر کہا کہ میں آپ کے پاس مہمان بن کر آیا ہوں اور آپکی پناہ چاہتا ہوں۔

ہانی بن عروہ نے کہا "آپ نے مجھے ایک زبردست دشواری میں ڈالدیا۔ اگر آپ میرے اُوپر اعتماد کر کے میرے گھر نہ آتے تو آپ خود ہی واپس چلے جاتے۔ مگر اب اس کی ذمہ داری میرے اُوپر عائد ہوتی ہے اس لئے آپ آجایئے۔ مسلم بن عقیل گھر میں داخل

ہو گئے۔ اب ابن زیاد سے چھپ چھپ کر امام حسینؓ کی حامی جماعت کے لوگوں کی آمد و رفت ہانی بن عروہ کے مکان پر شروع ہو گئی۔ ان میں شریک بن الاعور بھی آئے جو امام حسینؓ کی جماعت کے بڑے آدمی تھے۔ مسلم بن عقیل نے ہانی کے مکان میں پہونچکر ۱۸ ہزار اہل کوفہ سے بیعت لی اور حضرت امام حسینؓ کو حالات سے باخبر کرنے اور بلانے کے لئے حسب ذیل خط لکھا:۔

"امابعد! آپ کے پاس جو قاصد پہونچ رہا ہے وہ ایک سچا آدمی ہے۔ ۱۸ ہزار اہل کوفہ نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لئے جونہی میرا یہ خط آپ کو ملے فوراً یہاں پہونچئے اور کوئی تاخیر نہ کیجئے۔ یہاں کے لوگ نفسانیت سے بری ہو کر نہایت خلوص کے ساتھ آپ کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں اور آل معاویہ سے بیحد بیزار ہیں۔ والسلام"

یہاں یہ ہو رہا تھا اور اُدھر ابن زیاد نے اپنے ایک خادم معقل تمیمی نامی کو بلا کر تین ہزار درہم دلئے اور اُس کو مسلم بن عقیل سے مل جُل کر اور یہ ظاہر کر کے کہ وہ ایک پردیسی آدمی ہے جس کو اہل بیت سے بڑی محبت ہے جاسوس بنانے کے لئے آمادہ کیا۔ اُس سے یہ بھی کہا کہ یہ جو رقم میں نے تجھے دی ہے وہ اظہار عقیدت کے طور پر مسلم کو دیدینا۔ چنانچہ یہ جاسوس ترکیبیں نکالتا رہا یہاں تک کہ اس نے کوفہ کے ایک بوڑھے آدمی یعنی مسلم بن عوسجہ الاسدی تک رسائی حاصل کی جو امام حسینؓ کے لئے بیعت کر چکا تھا۔ معقل تمیمی ایک دن بڑی مسجد میں پہونچا جہاں مسلم بن عوسجہ نماز پڑھ رہا تھا۔ معقل اس کا انتظار کر رہا تھا اور جب مسلم بن عوسجہ نماز سے فارغ ہو کر نکلے تو معقل تمیمی نے ان سے کہا میں شام کا باشندہ ہوں مجھے اہل بیت سے محبت ہے اتنا کہکر وہ مصنوعی طور پر رونے لگا۔ اس کے بعد مسلم بن عوسجہ سے درخواست کی کہ وہ امام حسینؓ کے فرستادہ آدمی کا پتہ بتلا دے تاکہ وہ اُن سے بیعت کر سکے۔ مسلم بن عوسجہ نے کہا "تمہاری ملاقات سے مجھے خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی۔ طبیعت جس چیز سے خوش ہوئی وہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں اہلبیتؓ کی محبت ڈالی اور جس چیز سے مجھے رنج ہوا وہ یہ ہے کہ قبل اس کے کہ یہ معاملہ پختہ ہو لوگوں نے مجھے پہچان لیا۔"

معقل تمیمی نے مسلم بن عوسجہ سے کہا تو پھر آپ مجھے اپنے ہی ہاتھ پر بیعت کریں۔ ابن عوسجہ نے اس سے بیعت لے لی اور بیعت لیتے وقت اس سے پُورا پُورا عہد لیا کہ وہ پوری خیر خواہی سے کام لے گا۔ اب اُس نے امام حسینؓ کے حامیوں کے ساتھ آمدورفت شروع کردی اور اُس نے اتنا رسوخ بڑھایا کہ اُس کو مسلم بن عقیل کے پاس پہونچنے کی اجازت مل گئی۔ مسلم بن عقیل نے اجازت دیکر اس سے بیعت اپنے ہاتھ پر بھی لے لی۔ اُس نے ایک موقع پر ابو ثمامہ الصائدی (جو امام حسینؓ کی جماعت کی طرف سے مال جمع کرنے اور اسلحہ خریدنے کے لئے مامور تھے) سے کہا کہ وہ اپنی طرف سے کچھ رقم نذر کرنا چاہتا ہے جو ابو ثمامہ نے قبول کر لی۔

اسی طرح محفل خواص میں معقل تمیمی کی آمدورفت شروع ہوگئی۔ وہ سب سے پہلے آتا اور سب سے آخر میں جاتا تھا۔ چنانچہ ابن زیاد کو جس قدر خبروں کی ضرورت تھی وہ سب اُس کو حاصل ہوگئیں۔

ہانی بن عروہ کو عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے بڑا خطرہ لگا رہتا تھا۔ ہانی بن عروہ ایک مالدار شخص تھے۔ کوفہ میں ابن زیاد کے پہونچنے کے بعد یہ بیمار پڑ کر گھر میں پڑ گئے اور ابھی تک ابن زیاد کی نظروں سے غائب تھے۔

چند روز کے بعد ابن زیاد نے ہانی کو اپنے مصاحبوں کے سامنے یاد کیا اور پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ ہانی کو میں نہیں دیکھتا ہوں؟" لوگوں نے اس کا جواب دیا کہ وہ بیمار ہے۔ ہانی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابن زیاد نے اُس کو یاد کیا ہے تو فوراً اپنے خچر پر بیٹھکر ابن زیاد کے پاس پہونچا۔ ابن زیاد نے ہانی سے سوال کیا کہ:۔ ہانی بن عروہ! یہ کیا معاملات ہیں کہ امیر المومنین اور عام مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ مسلم بن عقیل کو بُلا کر تم نے اپنے مکان میں رکھا اور ارد گرد کے مکانوں میں اسلحہ اور لوگوں کو اکٹھا کیا ہے، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ چیز مجھ پر مخفی ہے؟ ہانی نے جواب دیا:۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا اور نہ مسلم بن عقیل میرے پاس ہیں۔" ابن زیاد نے کہا:۔ ضرور ہے اور تم نے اس کو پناہ دی ہے۔ جب زیادہ جھگڑا بڑھا تو ابن زیاد نے معقل تمیمی اپنے جاسوس کو بُلایا۔ معقل آکر سامنے

کھڑا ہو گیا۔ ابن زیاد نے ہانی سے کہا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ ہانی نے جواب دیا کہ ہاں پہچانتا ہوں؛

ہانی کو اب یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص جاسوس بن کر پہونچا تھا اور اُس نے ایک ایک بات کی خبر یہاں پہونچا دی ہے۔ تھوڑی دیر تک ہانی خاموش رہے لیکن اُس کے بعد اُنھوں نے انتہائی بہادری سے اپنے مہمان مسلم بن عقیل کو ابن زیاد کے ہاتھ حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ابن زیاد کے حکم سے ہانی بن عروہ کو سخت سزا دی گئی۔ اُن کو اس طرح مارا گیا کہ اُنکی ناک ٹوٹ گئی تمام خون اُن کے کپڑوں پر بہنے لگا۔ رخساروں اور پیشانی کا گوشت اُکھڑ کر انکی داڑھی پر آگیا۔ اس کے بعد اُن کو قید کر دیا گیا۔

مسلم بن عقیل کو جو امام حسینؓ کے فرستادہ تھے، جب یہ معلوم ہوا کہ ہانی کو قید میں ڈال دیا گیا ہے اور ان کو زدوکوب بھی کیا گیا ہے تو اُنھوں نے سوچا کہ اب میرے لئے ضروری ہے کہ میں کمربستہ ہو کر ہانی کو بچانے اور ظالموں کے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش کروں چنانچہ مسلم بن عقیل اپنی جماعت کے لوگوں کے ساتھ نیز ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے ان کے ہاتھ پر امام حسینؓ کی اطاعت کے سلسلہ میں بیعت کی تھی کمر کس کر عبیداللہ بن زیاد کے محل پر دھاوا بول دیا۔ عبیداللہ اس سے بہت پریشان ہوا۔ اس وقت اس کے محل میں بجز اس کے اہل خانہ اور تیس اہل کوفہ اور بیس آدمیوں کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ عبیداللہ کے لئے اس وقت سوائے حیلہ اور مکر کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس نے کثیر بن شہاب کو بُلایا اور اُس کو حکم دیا کہ تم قبیلہ مذحج میں جو لوگ اطاعت کے لئے تیار ہوں ان کے پاس جاؤ اور اُن سے مل کر اُن کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کو جنگ کی دھمکی دیکر بتاؤ کہ ان کو سلطان وقت کی سزا سے خوف کرنا چاہئے۔ دوسری طرف محمد بن اشعث کو بُلا کر قبیلہ کندہ اور حضرموت کے لوگوں کے پاس بھیجا اور یہ کہا کہ ان میں جو لوگ اطاعت کے لئے آمادہ ہوں گے تو ان کو امان دیدی جائیگی۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض اہل کوفہ سے اسی قسم کی باتیں کی گئیں۔

کوفہ میں عبیداللہ کے جو انصار و اعوان تھے وہ سب مقابلہ کے لئے آگئے۔ شام ہوتے

ہوتے مسلم بن عقیل کے ساتھی منتشر ہو گئے یہاں تک کہ اُن کے ساتھ صرف پانچ سو آدمی رہ گئے، پھر تین سو ہی رہ گئے اور اس کے بعد صرف تیس آدمی اُن کے ساتھ رہ سکے۔ جن کے ساتھ مسجد میں مسلم بن عقیل نے مغرب کی نماز پڑھی۔ اور جب ذرا تاریکی زیادہ ہو گئی تو وہ بھی ان کو چھوڑ کر کھسک گئے۔ ان میں سے اب کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ رہا جو مسلم بن عقیل کو راستہ تک بتلاتا یا مکان تک پہونچا دیتا۔ یا ان کے بچانے کی کوشش کرتا۔ مسلم بن عقیل کوفہ کی گلیوں میں بھٹکتے بھٹکتے بمشکل قبیلہ کندہ پہونچے، یہاں ایک عورت کا دروازہ کھٹکھٹایا، اس سے کچھ دن رہنے کی اجازت لی۔ ابن زیاد کو اس مکان کا بھی پتہ چل گیا۔ ابن زیاد نے یہاں مسلم کو گرفتار کرنے کے لئے ابن الاشعث کو ساٹھ، ستر آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ ابن الاشعث ان آدمیوں کے ساتھ جب مکان کے قریب پہونچا تو مسلمؒ نے گھوڑوں کی ٹاپ کی آواز اور لوگوں کے شور وغل سے فوراً تاڑ لیا کہ دشمن سر پر آگیا ہے۔ مسلم تلوار لے کر تیار ہو گئے، ابن الاشعث کے آدمی مکان میں گھس گئے اور دو بدو لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمؒ نے اپنی شمشیر زنی سے ان کے چھکے چھڑا دیے اور ان کو مکان سے نکال بھگایا۔ اس کے بعد دوبارہ ان لوگوں نے شدید حملہ کیا اور ان کو گھیر لیا مگر اس کا جواب بھی مسلم نے بڑی شدت سے دیا۔ ابن الاشعث کے لوگوں نے یہ تماشا دیکھا تو وہ مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے مسلم پر سنگباری شروع کر دی، اور بانسوں میں آگ لگا لگا کر ان پر پھینکے گئے۔ یہ دیکھ کر مسلم پھر تلوار لیکر مکان سے باہر نکل آئے اور گلی میں آکر انکا خوب مقابلہ کیا۔ اب ابن الاشعث سامنے آیا اور بولا:۔

"تم کو امان دیجاتی ہے۔ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو میرے سپرد کر دو۔ اس وقت تک مسلم زخموں سے چور چور ہو چکے تھے اور جنگ کے قابل نہ رہے تھے۔ دیوار سے سہارا دیکر کھڑے ہو گئے۔ ابن الاشعث نے اپنی پہلی بات پھر دہرائی "تم کو امان دیجاتی ہے" تو مسلم نے پوچھا کہ کیا مجھے امان دیدی گئی ہے؟ اس کے جواب میں ابن الاشعث اور اسکی جماعت نے کہا کہ ہاں تم کو امان دیجاتی ہے، ابن عقیل نے کہا اگر تم لوگ مجھے امان نہ بھی دیتے تب بھی میں اپنے آپ کو تمہارے حوالہ کر دیتا۔ اس کے بعد مسلمؒ نے ایک خچر

منگوایا اور اس پر بیٹھ گئے۔ ابن الاشعث کے آدمیوں نے مسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور انکی تلوار چھین لی۔ ابن عقیل اب بالکل ہی مایوس ہو گئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس موقعہ پر انھوں نے کہا "یہ پہلا مقدر ہے"

ابن عقیل سے ابن الاشعث نے کہا مجھے قوی اُمید ہے کہ تمھارے ساتھ کوئی سختی نہیں کیجائیگی۔ ابن عقیل نے جواب دیا "صرف یہ اُمید ہی ہے۔ تم لوگ کہاں امان دینے والے ہو۔ اتنا کہا اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر رونے لگے۔

اس پر عبداللہ بن العباس اسلمی نے کہا "یہ کوئی رونے کی بات تو نہیں ہے، جس چیز کے حصول وطلب کے سلسلہ میں تم پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے اگر اس کے لئے کسی اور شخص پر اس قسم کی مصیبت نازل ہو تو وہ رو نہیں سکتا۔

ابن عقیل نے جواب دیا "خدا کی قسم میں اپنی ذات کے لئے نہیں رو رہا ہوں میں ان لوگوں کے لئے رو رہا ہوں جو ہمارے خطوط کی بنا پر یہاں آنیوالے ہیں۔ میں امام حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے لئے رو رہا ہوں۔ اس کے بعد ابن عقیل نے ابن الاشعث سے کہا میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اب تم ہم کو امان نہیں دے سکتے۔ لیکن کیا تم اس وقت میرے ساتھ کچھ بھلائی کا کام کر سکتے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنا ایک پیغام امام حسینؓ تک تمھارے ایک آدمی کے ذریعہ پہونچادوں، وہ وہاں جا کر امام حسینؓ کو مطلع کر دے کہ میں دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو چکا ہوں، اور یہ کہ میں آج شام تک قتل کر دیا جاؤں گا اس لئے آپ (اہل بیت پر میرے ماں و باپ قربان ہوں) فوراً واپس تشریف لے جائیں۔ اہل کوفہ کے دھوکہ میں آپ نہ آئیں، یہ اہل کوفہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے آپ کے والد بزرگوار کو دھوکا دیا اور حلف توڑ دیا تھا، آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں گے، اہل کوفہ نے آپ سے جھوٹ بولا ہے اور جھوٹے شخص کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ابن الاشعث نے کہا "خدا کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا اور ابن زیاد کو یہ بتلاؤنگا کہ میں نے ان کو امان دیدی ہے لیکن ابن زیاد نے ابن الاشعث کے امان دینے کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ہانی بن عروہ کو قتل کرانے کے بعد مسلم بن عقیل کو بھی قتل کرا دیا۔

اس باب میں جو سب سے زیادہ حیرت انگیز بات ہے وہ یہ ہے کہ مسلم بن عقیل نے باوجودیکہ وہ دشمن کے ہاتھ میں گرفتار تھے بڑی جرأت و بہادری سے کام لیا اور امام حسینؓ کو اس حالت میں بھی اپنی گرفتاری کا حال لکھ کر بھیجا اور اُن کو مشورہ دیا کہ وہ مع اپنی جماعت کے واپس چلے جائیں۔ اہل کوفہ منحرف ہو کر انکی بیعت توڑ چکے ہیں۔ ابن عقیل نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائیگا اور اہل کوفہ نے جس طرح خود انکا تعاون نہیں کیا اسی طرح اگر امام حسینؓ یہاں پہونچیں گے تو ان کی بھی مدد نہیں کریں گے اور امام حسینؓ کو دشمن کے ہاتھ میں دیکر اُن کو اس قابل نہ رکھیں گے کہ وہ اپنے چند اہل بیت اور چند ساتھیوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ اہل کوفہ اس قابل نہیں ہیں کہ وہ ابن زیاد کی زبردست طاقت کے مقابلہ میں جم کر ان سے مدافعت کر سکیں۔ اب امام حسینؓ کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ دشمن کے بڑے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

مکہ اور کوفہ کے درمیان

ولید بن عتبہ جو مدینہ کا گورنر تھا اس پر یزید کا عتاب اس بنا پر نازل ہوا کہ اُس نے امام حسینؓ کو مدینہ سے کوچ کر جانے کا موقع کیوں دیا اور امام حسینؓ سے زبردستی بیعت کیوں نہ لے لی۔ یزید نے ولید بن عتبہ کی جگہ عمر بن سعید کو جس کا لقب اشدق تھا، مدینہ کا گورنر بنا کر بھیجدیا حضرت امام حسینؓ مکہ میں جمعہ کی شب ماہ شعبان ۶۰ھ میں داخل ہوئے تھے اور وہاں بقیہ شعبان، رمضان، شوال اور ذی قعدہ کے مہینوں میں قیام فرمایا تھا اور ۳، ذی الحجہ بروز سہ شنبہ (منگل) مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ اتفاق وقت عین اسی تاریخ میں مسلم بن عقیل کوفہ سے نکلے تھے۔ حضرت امام حسینؓ جتنی مدت تک مکہ میں قیام فرما رہے اہل حجاز اور اہل بصرہ کی جماعتیں ان کے پاس آتی رہیں اور خدام میں شامل ہوتی رہیں۔ امام حسینؓ نے جب عراق کے سفر کا ارادہ کیا تو بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور مروہ وصفا کی سعی کی۔ امام حسینؓ کو اس بات کی اطلاع نہ مل سکی کہ

مسلم بن عقیل کوفہ سے ٹھیک اسی تاریخ میں نکل آئے ہیں جس تاریخ میں خود امام حسینؓ مکہ سے نکل کر عازم عراق ہوئے ہیں۔

عبداللہ بن عباس امام حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا لوگ آپ کے عازم عراق ہونے سے پریشان ہیں۔ آپ مجھے بتائیے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا، میں نے آج جانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے انشاء اللہ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں آپ کے لئے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ مجھے آپکے اس ارادہ میں ہلاکت کا اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جس جماعت کے سہارے پر آپ کوفہ جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں وہ ایک عہد شکن قوم ہے۔ آپ اسی شہر میں اقامت پذیر رہیں آپ تمام اہل حجاز کے سردار ہیں۔ اگر اہل عراق آپ کو بلانا ہی چاہتے ہیں تو پہلے انکو اپنے دشمن کو ختم کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد ان کے پاس آپ کا جانا مناسب ہوسکتا ہے اور اگر آپ کو مکہ ہی چھوڑنا ہے تو آپ کو یمن چلا جانا چاہیئے۔ یمن میں قلعہ بندیاں بھی مضبوط ہیں اور وہاں آپ کے والد بزرگوار کے ماننے والوں کا ایک گروہ بھی موجود ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا میرے چچازادے میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپ یہ جو کچھ فرما رہے ہیں میری بھی خواہی کے لئے فرما رہے ہیں لیکن اب تو میں نے جانے کا ارادہ کرلیا ہے مگر ابن زبیر کو امام حسینؓ کا حجاز میں قیام کرنا بہت دو بھر گزر رہا تھا اور اس بنا پر ان کے عازم عراق ہونے سے وہ بہت خوش تھے، کیونکہ حجاز پر یہ بذات خود قابض ہونا چاہتے تھے۔ ابن زبیر کا خیال یہ تھا کہ ان کا یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک امام حسینؓ مکہ کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں چلے جاتے۔ چنانچہ اس موقعہ پر یہ امام حسینؓ سے ملے اور ان سے پوچھا اے ابو عبداللہ آپ نے کس بات کا ارادہ کیا ہے؟ امام حسینؓ نے ان سے اپنے کوفہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور مسلم بن عقیل نے کوفہ سے جو کچھ لکھ کر بھیجا تھا وہ بھی ان کو بتلایا۔ ابن زبیر نے کہا، آپ کو اس کی پوری آزادی ہے خدا کی قسم اگر عراق میں آپ کے ہمنواؤں جیسی جماعت میری ہوتی تو میں بلا تامل عراق چلا جاتا۔ ابن زبیر نے امام حسینؓ کے

کوفہ جانے کا خیال اور مضبوط کر دیا۔

امام حسینؓ نے جس وقت مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تھا اس دوران میں یمن کا ایک قافلہ یہاں آیا ہوا تھا، ان قافلہ والوں سے امام حسینؓ نے اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے لئے کچھ اُونٹ اُجرت پر لے لئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا، جو لوگ ہمارے ساتھ عراق تک چلنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو میں ان کا پُورا کرایہ ادا کر دوں اور جو لوگ تھوڑا راستہ چلکر چھوڑنا چاہتے ہوں تو میں ان کو اُتنا ہی کرایہ دیدوں۔

چنانچہ ایک جماعت اُن کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئی اور کچھ لوگ راستے سے واپس چلے گئے۔ عبداللہ بن جعفر بن طالب مع اپنے دو لڑکوں عونؔ اور محمدؔ کے امام حسینؓ کے ساتھ ہو گئے۔ عبداللہ نے اپنے دونوں بیٹوں کو امام حسینؓ کے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور ان کی حفاظت کے لئے جہاد کرنے کا بھی۔

ابن زیاد کو جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ امام حسینؓ مکہ چھوڑ کر کوفہ پہونچ رہے ہیں تو اس نے حصین بن نمیر تمیمی (جو اُس کا کوتوال تھا) کو اس مہم پر بھیجا حصین قادسیہ پہونچا وہاں گھوڑوں کا انتظام کیا اور اپنی فوجیں امام حسینؓ کے راستہ میں کوفہ تک پھیلا دیں۔

امام حسینؓ کوفہ جاتے ہوئے راستہ میں عرب کے ایک چشمہ پر اُتر پڑے، یہاں اُنھوں نے دیکھا کہ عبداللہ بن مطیع عراق سے لوٹ کر آ رہے ہیں۔ عبداللہ بن مطیع نے جب امام حسینؓ کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور ان کو سلام علیک کر کے کہا:۔

"آپ کے اُوپر میرے ماں باپ قربان ہوں، اے ابن رسول اللہ مکہ اور مدینہ سے نکلنے کا کیا باعث ہے؟ امام حسینؓ نے ابن مطیع کو بتایا کہ اہل کوفہ نے ہم کو کوفہ آنے کی دعوت دینے کے سلسلہ میں یہ خطوط لکھے ہیں اس پر ابن مطیع نے کہا کہ:۔ میں آپ کو اسلام اور قریش کی عظمت کی قسم دلاتا ہوں آپ اپنی ہتک عزت نہ کرائیں۔ اگر آپ بنی اُمیہ کے ہاتھ میں پہونچنے والی خلافت کا مطالبہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کو شہید کر دیں گے۔ اور اگر اُنھوں نے آپ کو شہید کر دیا تو پھر آپ کے بعد وہ کسی سے خوف نہ کھائیں گے مگر امام حسینؓ نے عبداللہ بن مطیع کی یہ بات نہیں مانی اور کوفہ کا سفر جاری رکھا۔ مقام زرودؔ[1] پر پہونچکر

[1] زرود صحرائے عرب میں خانہ بدوشوں کا چھوٹا سا پڑاؤ تھا ۱۲

اُنھوں نے دیکھا کہ یہاں کچھ خیمے نصب ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں زہیر بن قیس البجلی کا بھی ایک خیمہ لگا ہوا ہے۔ یہ بزرگ عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حج کر کے مکہ سے واپس آ رہے تھے۔ امام حسینؓ نے ان کو بُلا کر بات کرنا چاہی مگر اُن کو امام صاحب کے پاس آنے میں تامل ہوا، آخر کار دونوں میں ملاقات ہوئی۔ زہیر نہایت مسرور ہو کر امام صاحب کے پاس سے اپنے خیمہ میں واپس آئے اور اپنا خیمہ اُکھاڑ کر امام حسینؓ کے خیمہ کے پاس لگا لیا۔ اس کے بعد زہیر نے اپنے رفقاء سے کہا: تم میں سے کون کون شخص ایسا ہے جو میری اتباع کرنا چاہتا ہے۔ جو میری اتباع نہیں کرنا چاہتا اُس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ میرا آخری عہد ہے۔ اس سلسلہ میں زہیر نے اپنی بیوی کو طلاق بھی دیدی اور اس سے یہ کہا کہ تم اپنے گھر والدہ کے پاس چلی جاؤ۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے تم کو کوئی گزند پہونچے۔ بیوی کو علیحدہ کر کے یہ امام حسینؓ کے ساتھ جنگ کے لئے چلے گئے اور آخر کار امام صاحب کے ساتھ واقعہ کربلا میں شہید ہو گئے۔ ثعلبیہ میں امام حسینؓ کو مسلم بن عقیل کے قتل ہو جانے کی خبر معلوم ہوئی مگر ابھی اسکی تصدیق نہیں ہوئی تھی کہ حضرت امام حسینؓ سے قبیلہ بنی اسد کے دو اعرابی آ کر ملے، ان سے امام صاحب نے اس خبر کی تصدیق کی تو اُنھوں نے کہا، اے ابن رسول! لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں آپ کیخلاف ہیں۔ اس لئے آپ مکہ واپس تشریف لے جائیں، مسلم بن عقیل کوفہ میں شہید کروا دیے گئے ہیں۔

اس خبر کی تصدیق ہونے کے بعد کچھ لوگوں نے امام حسینؓ سے کہا، میں آپ کو قسم دیتا ہوں آپ اپنی جگہ واپس ہو جایئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی مددگار و معاون نہیں ہے، ہم کو اس بات کا خوف ہے کہ وہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہ پہونچائیں۔ اتنے میں بنو عقیل نے آگے بڑھکر کہا ہم یہاں سے اس وقت تک واپس نہیں جا سکتے۔ جبتک ہم اپنا بدلہ نہیں لے لیں گے یا جس چیز سے ابن عقیل کو دوچار ہونا پڑا ہے اس سے ہم بھی دوچار ہو کر رہیں گے۔ امام حسینؓ نے بھی فرمایا، اس کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں ہے بعض لوگوں نے امام حسینؓ سے کہا، خدا کی قسم آپ مسلم بن عقیل کی مانند نہیں ہیں۔ اگر آپ کوفہ پہنچیں گے تو دشمن آپ کو بہت جلد نقصان پہونچانے کی کوشش کریں گے۔

غرضنکہ امام حسینؓ نے پیچھے پلٹنے کے بجائے کوفہ کے لئے یہاں سے بھی کوچ کیا۔ امام حسینؓ جس جس مقام سے گزرتے تھے وہاں کے لوگ اُن کے ساتھ ہوجاتے تھے۔ چلتے چلتے یہ لوگ (زبالہ)[لہ] پہونچے، یہاں امام حسینؓ کو ان کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کے قتل کی خبر معلوم ہوئی جن کو امام حسینؓ نے مسلم بن عقیل کے قتل کی اطلاع سے پہلے کوفہ کے لئے روانہ کیا تھا ان کو حصین کی سوار فوج نے گرفتار کرکے قادسیہ سے ابن زیاد کے پاس بھیجدیا۔ یہاں ابن زیاد نے عبداللہ بن یقطر سے کہا دیکھو تم اس محل کے اُوپر چڑھ جاؤ اور وہاں سے کذاب[لہ] ابن کذاب پر لعنت بھیجنا شروع کرو اور پھر نیچے اُتر آؤ اس کے بعد میں غور کروں گا کہ مجھے تمہارے بارے میں کیا کرنا چاہیئے۔ عبداللہ بن یقطر محل کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے اُنھوں نے ابن زیاد کے حکم کے بالکل برخلاف سب سے پہلے لوگوں کو امام حسینؓ کے کوفہ پہونچنے کی خبر سنائی اور اس کے بعد ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجنا شروع کردی۔ اس جرم کی سزا میں ان کو محل کے اُوپر سے نیچے ڈھکیل دیا گیا۔ ان کی تمام ہڈیاں چور چور ہوگئیں۔ زبالہ میں امام حسین کے پاس محمد بن الاشعث اور عمر بن سعید کے قاصد پہونچے، اور ان قاصدوں نے امام حسینؓ کو تمام حالات سے باخبر کرتے ہوئے مسلم بن عقیل کا پیغام پہونچایا۔ اور بتایا کہ اہل کوفہ نے کس طرح ابن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرانے کے بعد ان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر قتل کرا دیا۔ اب امام حسینؓ کو اس خبر کی صحت کا بالکل یقین ہوگیا۔ ابن عقیل اور ہانی کے قتل ہونے سے ان کو بہت زیادہ صدمہ پہونچا، اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف ملتفت ہو کر کہا:۔ ہماری جماعت نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم لوگوں میں سے جو واپس جانا چاہے جاسکتا ہے، اب میں اپنے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ یہ سُنتے ہی بہت سے لوگ امام حسینؓ کو چھوڑ کر ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ صرف وہ لوگ امام صاحب کے ساتھ رہ گئے جو اُن کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے یا جو راستہ میں ساتھ ہوئے تھے، جو لوگ اُن کے ساتھ آئے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ امام حسینؓ ایسی جگہ جا رہے ہیں جہاں سب لوگ اُنکی اطاعت پر

لہ زبالہ حدود عراق میں واقع ہے ۱۲ لہ اس سے مراد حضرت امام حسینؓ ہیں ۱۲

تیار رہیں اس لئے امام حسینؓ نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ اس حقیقت کو آشکارا کر دیں کہ ان کے ساتھ صرف وہی لوگ رہیں جو مرنے سے نہ ڈرتے ہوں اور اپنے اندر مصائب وشدائد جھیلنے کی طاقت رکھتے ہوں۔

امام حسینؓ کے مقابلہ کے لئے ابن زیاد نے تمام عراق کے طول وعرض میں اور تمام ان راستوں پر جو کوفہ سے متصل تھے جگہ جگہ اپنی فوجیں متعین کر دی تھیں۔ اس نے یہ ترکیب اس لئے کی تھی تاکہ امام حسینؓ عراق میں جس طرف سے بھی داخل ہوں اُن کو ہر جگہ ہماری فوج سے دوچار ہونا پڑے۔ ابن زیاد نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس موقع پر عامل مدینہ اور امیر مکہ کی طرح غفلت سے کام نہیں لیا جائے گا۔

امام حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں نے مکہ سے کوفہ تک کا راستہ بڑی دشواری اور محنت سے طے کیا تھا۔ کیونکہ راستے کا بہت بڑا حصہ پُرپیچ اور ٹیڑھا تھا جس میں نشیب وفراز اور ریت ہی ریت تھا۔ گرمی بھی جسم کو پگھلا دینے والی پڑ رہی تھی اور لو کے جھونکے بھی تیز تیز چل رہے تھے۔ آخر کار امام حسینؓ مع اپنی جماعت کے مقام "شراف" پہونچے جو عراق کی حد پر واقع ہے، یہاں ایک رات قیام کیا اور پھر یہاں سے آگے چل پڑے۔ چلتے چلتے بالکل دوپہر کا وقت ہو گیا اور گرمی شدت کی پڑنے لگی۔ اُدھر ابن زیاد کی ایک سوار فوج دُور سے آتی ہوئی نظر آئی، یہ ایک ہزار فوج تھی جو حر بن یزید تمیمی کی سرکردگی میں محض مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے بھیجی گئی تھی۔

یہ فوج امام حسینؓ اور ان کے سامنے عین دوپہر کی گرمی میں آدھمکی۔ امام حسینؓ اور ان کے ساتھی عمامہ باندھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے، نماز ظہر کا وقت آگیا تھا، امام حسینؓ نے موذن سے اذان دینے کے لئے کہا۔ مؤذن نے اذان دی امام حسینؓ ایک تہبند باندھے اور ایک چادر ڈالے جوتے پہنے ہوئے سامنے آئے اور اپنے ساتھیوں اور دشمنوں کو مخاطب کرتے ہوئے حمد وثنا کرنے کے بعد فرمایا۔

"لوگو! میں تمہارے پاس اس وقت آیا ہوں جبکہ تمہارے بہت سے خطوط اور قاصد میرے پاس یہ پیغام لیکر پہونچے کہ ہمارا کوئی امام اور رہنما نہیں ہے۔ آپ کے یہاں

آنے سے شاید اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو ہدایت اور حق پرستی پر جمع کر دے۔ اب میں یہاں آگیا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہو جس کا یقین تمہارے وعدوں اور عہدوں سے ہوتا ہے تو میں تمہارے شہر میں چلنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر تم میری خیر خواہی نہیں کرنا چاہتے اور میرے آنے سے ناخوش ہو تو میں ابھی ابھی واپس چلا جاؤں گا لیکن افسوس کہ حضرت امام کی یہ تقریر سنکر بھی سب کے سب خاموش رہے اور ان میں سے کسی نے ایک کلمہ منہ سے نہیں نکالا۔"

امام حسینؓ نے

موذن سے اقامت کے لئے کہا، اُس نے اقامت کہی، امام حسینؓ نے حر سے پوچھا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھو اور میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھوں۔ حُر نے جواب دیا ہم سب آپ کے ساتھ ہی نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔

امام حسینؓ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد مکان چلے گئے اور وہاں اُن کے ساتھی بھی اُن کے پاس جمع ہو گئے، حُر بھی اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اُس کے بعد جب عصر کا وقت آیا امام حسینؓ کے مؤذن نے اذان دی اور امام حسینؓ نے ہی آگے بڑھ کر دونوں فریقوں کو نماز عصر پڑھائی اس کے بعد ان سے مخاطب ہوتے ہوئے حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا۔ لوگو! اگر تم پرہیزگاری اختیار کروگے اور صاحبِ حق کا حق پہچان لوگے تو اس زمین میں اللہ کا قبضہ ہوگا کیونکہ ساری زمین اُسی کی ہے، ہم اہل بیت ہیں اور ہم اس ولایت و خلافت کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو اس کے دعویدار بن گئے ہیں اور جو تم لوگوں پر ظلم و ستم کرتے رہتے ہیں اگر تم ہمکو پسند نہیں کرتے اور ہمارے حق کو نہیں جانتے اور تمہاری رائے تمہارے خطوط اور قاصدوں کے برخلاف ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔

حُر نے کہا جن خطوط اور جن قاصدوں کا تذکرہ آپ کر رہے ہیں ہم انکے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ امام حسینؓ نے دو تھیلے نکالے جو خطوط سے بھرے ہوئے تھے اور ان خطوط کو حُر اور اسکی جماعت کے سامنے بکھیر دیا۔

حر نے کہا کہ جن لوگوں نے یہ خطوط آپ کو لکھے ہیں ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ ہمکو تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ کو جس طرح ہو گرفتار کر کے عبیداللہ کے پاس کوفہ پہونچا دیں۔

امام حسینؓ نے کہا اس سے تو موت ہی بہتر ہے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ سوار ہو کر حجاز واپس چلیں مگر حُر نے اُن کو واپس جانے سے روکا۔

امام حسینؓ نے فرمایا۔ تمھارا کیا منشا ہے؟

حُر نے کہا کہ میرا منشا یہ ہے کہ میں آپ کو امیر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

امام حسینؓ نے کہا اس معاملہ میں میں تمھاری بات نہیں مانوں گا۔

حُر نے کہا تو بخدا میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔

بات بڑھتی گئی اور معرکہ جنگ قائم ہو گیا۔ اب حُر نے امام حسینؓ سے کہا مجھے آپ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا مجھے تو صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو اُس وقت تک نہ چھوڑوں جب تک امیر عبیداللہ کو نہ لکھ بھیجوں۔ ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ کوئی ایسی بات پیدا کر دے جس سے میری عاقبت خراب نہ ہو اور میں آپ کے معاملہ میں کسی چیز کی آزمایش میں نہ پڑ سکوں۔

امام حسینؓ چل دیئے اور بنی مقاتل کے محل کے پاس پہونچ گئے۔ یہاں دونوں فریقوں نے اپنا اپنا ڈیرا ڈالا مگر برابر ایک دوسرے سے اندیشہ محسوس کرتے رہے۔

آخر شب میں امام حسینؓ نے کوچ کرنے کا حکم دیا اور قصر بنی مقاتل سے چل پڑے اور جب نماز فجر کا وقت آیا تو امام حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو نماز فجر پڑھائی پھر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کو لیجانا چاہا مگر جب امام حسینؓ نے جنگل کی طرف چلنے کا ارادہ کیا تو حر بن یزید نے روکا اور آخر کار امام صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو کوفہ کی طرف چلنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں سے یہ فوراً نینویٰ[1] پہونچے اور وہاں تھوڑی دیر کیلئے نزول کیا۔ یہاں اچانک دیکھا کہ ایک سوار ایک گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہتھیاروں سے لیس تیر و کمان ڈالے ہوئے ان لوگوں کی طرف

---

[1] نینویٰ وہ مقام ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نمرود کا پایۂ تخت تھا ۱۲ مترجم

چلا آرہا ہے۔ یہ سب لوگ اس کا انتظار کرنے لگے اور جب وہ قریب آگیا تو اُس نے حُر اور اُس کے ساتھیوں کو سلام کیا مگر امام حسینؓ کو سلام نہیں کیا اور اُس نے ابن زیاد کا ایک خط حُر کو دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ جس وقت میرا خط اور میرا قاصد تمھارے پاس پہونچے، امام حسینؓ کو سختی کے ساتھ پکڑ لو اور اُن کو چٹیل میدان میں اُتارو جہاں نہ کوئی پناہ گاہ ہو نہ پانی، میں نے اپنے قاصد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک تمھارا ساتھ نہ چھوڑے جب تک تم امام حسینؓ کی گرفت مضبوط نہ کر لو اور میرے حکم کو نافذ نہ کر لو، والسلام۔

حُر نے خط پڑھکر امام حسینؓ سے کہا کہ یہ امیر عبداللہ کا خط ہے اس میں وہ مجھے یہ حکم دے رہے ہیں کہ میں آپ کو اسی جگہ اپنے گھیرے میں لے لوں جہاں ان کا یہ خط ملے، انھوں نے اپنے قاصد کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ وہ میرا ساتھ اُس وقت تک نہ چھوڑے جب تک میں ان کے حکم کو نافذ نہ کر لوں۔

مگر امام حسینؓ چل پڑے اور حُر بھی ان کے ساتھ ہو لیا یہاں تک کہ یہ فرات کے قریب ایک جگہ جس کا نام کربلا ہے پہونچ گئے۔ یہاں حُر مع اپنی جماعت کے امام حسینؓ کے گروہ کے سامنے آکر حائل ہو گیا اور اُن کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ مقام کربلا پر اُترنے کا واقعہ ۲، محرم ۶۱ھ بروز پنجشنبہ پیش آیا۔ امام حسینؓ کو مقام کربلا پر ٹھہرے ہوئے دوسرا روز ہوا تھا کہ کوفہ سے عمر بن سعد بن ابی وقاص بھی چار ہزار فوج کے ساتھ یہاں پہونچ گیا تاکہ امام حسینؓ سے باقاعدہ جنگ کی جا سکے۔

اس سے پہلے عمر بن سعد بن وقاص مقام رَے میں حاکم کی حیثیت سے متعین تھا اور چار ہزار فوج کسی دوسری مہم پر جانے کے لئے تیار بیٹھا تھا مگر اس موقع پر جب امام حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ابن زیاد نے یہ طے کیا کہ عمر بن سعد کا پہلا پروگرام ملتوی کر کے اس کو امام حسین کے مقابلہ کے لئے بھیجا جائے۔ عمر بن سعد نے اس مہم پر جانے سے معذرت ظاہر کی مگر ابن زیاد نے اس کا عذر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اُس کو معزول کر دینے، مال و متاع چھین لینے اور مکان میں آگ لگا دینے کی دھمکی دی اور ابن زیاد کو عمر بن سعد کے علاوہ عراق کے کسی اور شخص پر اعتماد بھی نہ تھا۔ اس کو

اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر اُس نے کسی اور شخص کو اس مہم پر بھیجدیا تو ممکن ہے کہ وہ امام حسینؓ کے خلاف لڑنے کے بجائے ان سے مل جائے اس لئے وہ قریش ہی کے کسی آدمی کو اس مہم پر بھیجنے پر تلا ہوا تھا۔

بہر حال عمر بن سعد کو فوج لیکر امام حسینؓ کے مقابلہ پر جانا ہی پڑا اور اس طرح کربلا میں عمر بن سعد اور حُر بن یزید کی فوجیں مل کر زبردست طاقت بن گئیں۔ یہاں پہونچکر عمر بن سعد نے عروہ بن قیس احمسی کو امام حسینؓ کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجنا چاہا مگر اُس نے یہ کہکر کہ مجھے ان سے ملتے ہوتے شرم معلوم ہوتی ہے انکار کر دیا۔ اس کے بعد عمر نے امام حسینؓ سے ملنے کے لئے ان لوگوں کو مجبور کرنا چاہا جنھوں نے اس سے پہلے امام صاحب کو خود کوفہ آنے کے لئے خطوط لکھے تھے مگر ان لوگوں نے بھی انکار کر دیا اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وہ فریق مخالف کی جانب سے وہاں جاکر گفتگو کریں۔ اس کے بعد عمر نے قرہ بن سفیان حنظلی کو اس کام کے لئے آمادہ کر لیا۔ یہ امام صاحب کے پاس پہنچا اور اُن سے دریافت کیا "آپ کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟" امام صاحب نے جواب میں فرمایا۔ "تمھارے شہر کے لوگوں نے مجھے یہاں بُلانے کے لئے خطوط لکھے تھے اس لئے میں یہاں آیا تھا لیکن اگر وہ میرا یہاں آنا پسند نہیں کریں گے تو میں مکہ واپس چلا جاؤنگا۔ عمر بن سعد نے یہ بات ابن زیاد کو لکھ بھیجی۔ ابن زیاد یہ خط پڑھ کر بڑبڑایا اور کہا کہ اب جب کہ میرے پنجے مضبوط ہو گئے ہیں وہ مجھ سے نکلنے کی اُمید کرتے ہیں۔ اس کے بعد عمر بن سعد کو یہ حکم بھیجا کہ امام حسینؓ سے یزید کی بیعت کے لئے کہو، اگر وہ بیعت کر لیں گے تو اس کے بعد اگلی کارروائی پر غور کیا جائے گا۔ ابن زیاد نے عمر کو یہ بھی لکھا کہ امام حسینؓ اور انکی جماعت کو پانی لینے کا بھی موقعہ نہ دیا جائے اور ان کے ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جائے جو امیر المومنین عثمان بن عفان کے ساتھ کیا گیا تھا۔

اس حکمنامہ کے آنے کے بعد عمر بن سعد نے عمر بن حجاج کو پانچ سواروں کے ساتھ امام حسینؓ کے مقابلہ میں بھیجدیا۔ یہ سب سوار دریائے فرات کے کنارے جاکر اُترے اور امام حسین اور انکی جماعت کو پانی کے ایک قطرہ سے محروم رکھنے کے لئے پانی کے اس طرف

دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ کربلا میں جو واقعہ فاجعہ ہونیوالا تھا اس سے تین روز پہلے کا یہ واقعہ ہے۔

امام حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں کو جب پیاس زیادہ لگی تو امام حسینؓ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو دریائے فرات پر پانی لانے کے لئے بھیجا۔ عباسؓ کے پاس بیس پیادے اور تیس سوار بھی اپنی اپنی مشکیں لیکر گئے۔ دریا پر دشمن نے عباسؓ کو پانی بھرنے سے روکنے کی کوشش کی مگر ان مختصر لوگوں نے مقابلہ کر کے اپنی اپنی مشکیں پانی سے بھر لیں اور واپس آگئے۔

اس کے بعد امام حسینؓ نے عمرو بن قرظہ بن کعب الانصاری کو عمر بن سعد کے پاس یہ پیغام کہلا کر بھیجا کہ وہ آج رات کو آکر ہم سے مل لیں مگر ہماری اس ملاقات کا علم ہم دونوں کے سوا اور کسی کو نہ ہو چنانچہ عمر رات کو آکر امام صاحب سے ملے، ایک جگہ بیٹھکر رات بھر یہ دونوں آپس میں صلاح و مشورہ کرتے رہے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اپنے لشکر میں چلے گئے اور کسی کو اس کا علم نہ ہو سکا کہ ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں۔

عقبہ بن سمعان نے کہا ہے کہ میں امام حسینؓ کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے عراق تک بالکل ساتھ رہا۔ ہمارا یہ ساتھ اس وقت تک نہیں چھوٹا جب تک کہ وہ شہید نہیں ہو گئے۔ اور اپنی شہادت کے وقت تک جو جو تقریریں امام حسینؓ نے کی تھیں وہ سب میں نے سُنیں۔ خدا کی قسم امام حسینؓ نے ان لوگوں سے بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ "مجھے چھوڑ دو، میں مکہ سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں گا، مجھے اس سرزمین کے لئے چھوڑ دو، میں دیکھوں گا کہ لوگوں کا معاملہ میرے ساتھ کیسا رہتا ہے" لیکن ان دشمنوں نے امام حسینؓ کو نہیں چھوڑا۔ امام حسین اور ابن سعد میں چار مرتبہ ملاقات ہوئی۔ بالآخر عمر بن سعد نے ابن زیاد کو حسب ذیل خط لکھا:۔

"اما بعد، اللہ نے ہیجان ختم کر دیا ہے اور ایک کلمہ پر سب کو جمع کر دیا ہے۔ امام حسینؓ نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ مکہ سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں گے یا جس جگہ ہم اُن کو جانے کے لئے کہیں گے وہاں چلے جائیں گے۔ یا اگر امیر المومنین یزید سے ملاقات ہو جائے

تو وہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کے منشا کے عین مطابق ہے اور اس میں اُمت کی بھلائی بھی ہے۔"

ابن زیاد نے اس خط کو پڑھکر ابن سعد کی رائے سے بالکل اتفاق کیا اور یہ تسلیم کیا کہ ابن سعد نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعی امیر وقت اور قوم دونوں کے لئے نہایت مفید ہے اس لئے میں بھی اس کو قبول کرتا ہوں۔

یہ سنکر شمر ذی الجوشن کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ آپ امام حسینؓ کا عذر ایسے وقت میں قبول کرنے کو تیار ہو رہے ہیں جبکہ وہ بالکل آپ کی زد میں آگئے ہیں۔ بخدا اگر اس موقعہ پر امام حسینؓ آپ کے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر آپ کے علاقہ سے جان بچاکر نکل گئے تو وہ آئندہ اس سے زیادہ طاقت حاصل کرلیں گے۔ اور پھر ان کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں ہو گی۔ اس لئے اُن کو بچ کر نکل جانے کا موقعہ ہی نہ دیا جائے اور اسی وقت اُن سے اور انکی جماعت سے اطاعت قبول کرالی جائے۔ اس حالت میں آپ ان پر فرد جرم قرار دیکر سزا بھی دے سکتے ہیں۔ اور اگر معاف کرنا چاہیں تو اس کا بھی اختیار حاصل ہو گا۔ بخدا مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ امام حسینؓ اور عمر بن سعد کے درمیان ایک رات میں خوب سرگوشیاں ہوئی ہیں۔

ابن زیاد نے شمر سے کہا، تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تم کو ایک خط لکھ کر دیتا ہوں اس کو عمر بن سعد کے پاس لیکر جاؤ اور وہاں پہونچکر امام حسین اور انکی جماعت کو متنبہ کردو کہ وہ میری اطاعت قبول کرلیں۔ اگر وہ اس کے لئے تیار ہوں تو اُن کو صحیح وسالم ہمارے پاس لے آنا اور اگر وہ اطاعت کرنے سے انکار کردیں تو فوراً ان سے جنگ شروع کردو، تم کو ہر قسم کا اختیار دیتا ہوں۔ جنگ کی صورت میں امام حسین اور اُن کی جماعت کی گردنیں اُڑادو اور سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدو۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو جو خط لکھ کر بھیجا تھا اُس کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

اما بعد! میں نے تم کو امام حسینؓ کے پاس اس لئے نہیں بھیجا کہ تم کوئی درگزر کردیا ان کے سفارشی بن کر آؤ اور ضرورت پیش کرو۔ اگر امام حسینؓ اور ان کے ہمراہی

میرا حکم ماننے کے لئے تیار ہوں اور صلح چاہیں تو اُن کو میرے پاس صحیح وسالم بھیجدو، اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے مقاتلہ کرو یہاں تک کہ اُن کو قتل کر کے مثال قائم کردو کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ اگر امام حسینؓ قتل ہو جائیں تو اُن کے سینے اور پشت کو گھوڑوں کے ٹاپوں سے پامال کرادو کیونکہ امام حسینؓ نافرمانی کرنیوالے اور ظالم آدمی ہیں، اگر تم نے میرے حکم کو نافذ کیا تو میں تم کو اس کا وہی بدلہ دوں گا جو ایک وفادار کو دینا چاہیے۔ اور اگر تم کو اس سے انکار ہے تو تم ہماری فوج سے علٰحدہ ہو جاؤ اور شمر بن ذی الجوشن کو اس کام کے لئے چھوڑ دو، والسلام۔"

اگر ان افسوسناک حوادثات پر ہم سکون قلب کے ساتھ نظر ڈالیں تو ہم کو یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ عراق اور عراق کے باہر کسی شخص کو اس بات کا تصور بھی نہ تھا کہ حالات اس افسوسناک انجام تک پہونچ جائیں گے بلکہ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ امام حسینؓ جب دیکھیں گے کہ اُن کے ساتھی کمزور اور دشمن زیادہ طاقتور ہیں اور اُن کے اعوان وانصار خائن ہیں اور کوفہ تک پہونچنے کی اُمید باقی نہیں رہی ہے تو امام حسینؓ حقیقت حال کو سمجھ کر جنگ وجدال سے دوچار ہونا پسند نہ فرمائیں گے۔ ہمارے اس خیال کی تائید امام حسینؓ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اگر دشمن ان کو گوارا نہیں کرتے ہیں تو وہ مکہ واپس چلے جائیں گے۔ امام صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اس بات کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہو تو مجھے دمشق یزید بن معاویہ کے پاس ہی بھیجدو۔ میں کہتا ہوں اگر امام حسینؓ کو دمشق بھیجدیا جاتا تو یہاں تک نوبت نہ پہونچتی اور اتنا بڑا حادثہ پیش نہ آتا، لیکن عبیداللہ بن زیاد کی ضد اور امام حسینؓ کو اپنے حکم کے ماتحت لانے کا جذبہ اتنے بڑے سانحہ کا موجب ہو گیا اور یہ ایسی چیز تھی جو امام حسینؓ کی طاقت وامکان سے باہر تھی، امام حسینؓ جیسا شخص اپنی جلالت قدر اور عظمت کے لحاظ سے ایک ایسے شخص کے زیر نگیں رہنا کس طرح قبول کر سکتا تھا۔ جس کا نسب کمزور اور حسب خراب ہو، جو بغاوت وعدوان کی فطرت رکھنے کے باعث کافی بدنام ہو۔

کوفہ کے ان حالات پر ایک تاریخی نگاہ ڈالنے سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے

کہ ابن زیاد امام حسینؓ کو دمشق بھیجنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا تھا لیکن جب وہ ابن زیاد شمر ذی الجوشن سے گفتگو کرتا ہے تو اسکی رائے بدل جاتی ہے۔ شمر کی شخصیت تاریخ اسلام میں عجیب غریب انداز میں ظاہر ہے۔ اس حادثہ میں اس کا بہت بڑا اثر موجود ہے۔ اس شخص نے عبید اللہ بن زیاد کو اس بات پر آمادہ کیا کہ امام حسینؓ کو واپس نہ جانے دیا جائے بلکہ ان کو گھیر کر اپنے زیر نگیں کر لیا جائے۔ شمر لشکر کے ساتھ بھی گیا تھا تاکہ وہ ابن زیاد کی طرف سے جاسوسی کر سکے۔ اور عمرو بن سعد جو قائد جیش تھا اسکی نگرانی کر سکے کہ کہیں وہ کمزور اور ضعیف نہ ہونے پائے، اسی طرح اس نے اپنے آدمی کو امام حسینؓ کو شہید کرنے پر آمادہ کیا اور ان کو صرف گرفتار کر لینے پر قناعت نہیں کی۔

شمر نے ابن زیاد کا خط عمر تک پہونچایا، عمر نے اس خط کو پڑھکر شمر سے کہا، یہ تجھکو کیا ہو گیا۔ خدا تیرا بُرا کرے جو تو پیغام لایا ہے وہ بہت ہی بُرا ہے۔ بخدا میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تو نے ابن زیاد کو اس چیز پر بھڑکایا اور تو نے ابن زیاد کو خراب کر کے ہمارے معاملہ کو برباد کر دیا۔ ہم یہ اُمید کرتے تھے کہ حالات سازگار ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم! امام حسینؓ کبھی اطاعت نہیں کریں گے۔

شمر نے کہا، مجھے تم یہ بتلاؤ کہ تم خود کیا کرنا چاہتے ہو؟ آیا تم اس کے لئے تیار ہو کہ اپنے امیر کا حکم بجالاؤ اور ان کے دشمن کے ساتھ جنگ کرو، اگر اس کے لئے تیار نہیں ہو تو یہ ذمہ داری میرے اُوپر چھوڑ دو، اور لشکر کو میرے حوالے کر دو اور تم الگ ہو کر بیٹھ جاؤ۔

عمر نے جواب دیا، نہیں ایسا نہیں ہو گا، میں خود اس ذمہ داری کو اپنے ہاتھ میں رکھوں گا، البتہ پیادہ فوج کو تم اپنے کمان میں لے لو۔

۹ محرم کو جمعرات اور جمعہ کے درمیانی شب میں عمر بن سعد امام حسینؓ کے پاس پہونچے اُن کے ساتھ شمر بھی آیا اور امام حسینؓ کے ساتھیوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ امام حسینؓ نے دیکھا کہ یہ جماعت میرے قتل کا ارادہ رکھتی ہے تو انھوں نے اس بات کی درخواست کی کہ ان کو ایک روز کی مہلت دی جائے۔

جب شام ہوئی تو اُنھوں نے تمام اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا:۔

"میں اللہ تعالےٰ کی سب سے اچھی حمد و ثنا کرتا ہوں اور مصیبت و نعمت دونوں حالتوں میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں اس بات پر کہ تو نے ہم کو نبوت کا شرف بخشا اور تو نے ہم کو کان، آنکھیں اور دل عنایت فرمائے، تو نے ہم کو قرآن کا علم دیا، تو نے ہمکو دین سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی اس لئے تو ہمکو شکر گزار لوگوں میں شامل کرلے۔ امابعد! دشمنوں کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ بہتر اور اچھا نہیں سمجھتا اور نہ ان کو اپنے اہل بیت سے زیادہ نیک اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والا سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ تم لوگوں کو جزائے خیر دے، تم نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ہماری مدد کی، دشمن میرے سوا اور کسی کو تباہ کرنا نہیں چاہتا، میں سمجھتا ہوں کہ آج کا دن جتنا اچھا ہے اُتنا کل کا دن اچھا نہ ہوگا، میں تم لوگونکو اجازت دیتا ہوں کہ تم کسی ایسی پناہ میں چلے جاؤ جہاں میری ذمہ داری نہ ہو۔ آج کی رات تاریکی چھائی ہوئی ہے اس لئے اپنی جانیں بچانے کے لئے کہیں بھی چلے جاؤ"!

امام حسینؓ کی اس تقریر کے جواب میں ان کے بھائی، بیٹے اور بھتیجے اور عبداللہ بن جعفر کے دوسرے لڑکوں نے کہا:۔ ہم اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں، خدا ہم کو ایسا دن کبھی نہ دکھلائے" اس گفتگو کی ابتدا عباس بن علی نے کی تھی اور اس کے بعد اور سب بولے تھے۔ مسلم بن عوسجہ نے کھڑے ہو کر کہا:۔ کیا ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں اور آپ کا حق ادا کرنے کے لئے خدا کے سامنے کسی عذر پیش کرنے کے قابل نہ رہیں۔ خدا کی قسم! ہم آپ کو اس وقت تک علیحدہ نہیں چھوڑ سکتے۔ جب تک ہم اپنے نیزوں کو دشمنوں کے سینوں میں نہ اُتار دیں، اور ان کو اپنی تلوار سے قتل نہ کر دیں۔ اگر ہمارے پاس تلواریں نہ ہوتیں تو ہم ان کو پتھروں سے مارتے اور ہم اُس وقت تک مقابلہ کریں گے جبتک آپکی حفاظت کے لئے ہم اپنی جانیں نہ دیدیں" یہی کلمات مسلم بن عوسجہ کے ساتھیوں نے بھی دُہرائے۔ علی بن حسینؓ اسی خیمہ میں بیمار پڑے ہوئے تھے اور انکی تیمار داری میں انکی پھوپھی زینبؓ مصروف تھیں لیکن جب

حضرت علی بن حسین نے ان دردناک حالات کو سُنا تو بے ساختہ انکی زبان سے حسب ذیل اشعار جاری ہو گئے:۔

یا دھر اف لک من خلیل	اے وہ زمانے! جس کی صبح وشام میں
کم لک بالاشراق والاصیل	نہ معلوم کتنے قاتل اور دوست ہو گزرے ہیں!
من صاحب او طالب قتیل	تجھ پر افسوس ہے کہ تو ایک ایسے دوست کو
والدھر لا یقنع بالبدیل	قتل کرنا چاہتا ہے جسکی نظیر زمانہ پیدا نہیں کرسکتا ہے۔

ان اشعار کو علی بن حسین نے بار بار پڑھا، اس کے بعد اُنھیں معلوم ہوا کہ ان کے والد بزرگوار نے مقابلہ کرنے کا عزم مصمم کرلیا ہے اس میں کسی تبدیلی کی گنجایش نہیں ہے تو علی بن حسین اشعار پڑھتے پڑھتے خاموش ہو گئے۔ امام حسینؓ کی بہن زینبؓ نے جب یہ قصیدہ علی بن حسین کو پڑھتے ہوئے سُنا تو وہ اپنے اُوپر قابو نہ پاسکیں، بے تحاشا اپنے کپڑوں کو زمین پر گھسیٹتی ہوئی اُن کے پاس جا پہنچیں اور کہنے لگیں، افسوس موت نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ میری ماں فاطمہؓ، میرے باپ علیؓ، اور بھائی حسنؓ سب وفات پاچکے لیکن میں آج زندہ بیٹھی ہوں، اتنا کہکر زینبؓ بیہوش ہو گئیں اور زمین پر گر پڑیں۔

امام حسینؓ فوراً زینبؓ کے پاس پہونچے اور ان کو ہوش میں لانے کیلئے انکے منہ پر پانی چھڑکا، جب وہ ہوش میں آگئیں تو اُن سے کہا:۔

"اللہ سے ڈرو اور صبر سے کام لو، اور یہ سمجھ لو کہ زمین والے مرتے ہی ہیں، بجز اللہ کی ذات کے ہر چیز فانی ہے۔ میرے باپ، میری ماں، اور میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ میرے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہؐ کا اُسوۂ حسنہ موجود ہے۔ اے بہن! میں تجھ سے التماس کرتا ہوں بلکہ تجھ کو قسم دلاتا ہوں کہ اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو میرے اُوپر غمگین نہ ہونا اور نہ میرا ماتم کرنا۔"

اُس کے بعد امام حسینؓ اپنے ساتھیوں کے پاس گئے اور اُن کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے خیمے قریب لگالیں۔ اور اپنے خیموں کے سامنے کھڑے ہو کر دشمن کا مقابلہ ایک

ہی سمت سے کریں تاکہ خیمے دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف رہیں۔ یہ ہدایات دیکر پھر واپس چلے آئے۔

اس کے بعد تمام رات امام حسینؓ نماز پڑھ پڑھ کر دعا و استغفار میں مصروف رہے۔ اسی طرح اُن کے ساتھی بھی نماز، دعا اور استغفار میں مشغول رہے، یہ اُدھر ذکر اذکار میں مشغول تھے اور دشمن کی سوار فوج اُن کے خیموں کے چاروں طرف طواف کر رہی تھی اور اس بات کی نگرانی کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک شخص بھی نکل کر نہ جاسکے۔ دراصل دشمن کا مقصد یہ تھا کہ وہ امام حسینؓ کے ایک ایک آدمی کو قتل کر کے ختم کر دیں۔

معرکۂ کربلا

معرکۂ کربلا میں امام حسینؓ کی فوج میں صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیدل سپاہی تھے، یہ موت سے کھیلنے کے لئے ہشاش بشاش ہو کر تیر و سنان کا مقابلہ کرنے کے لئے طیار ہو گئے۔

۱۰ محرم جمعہ کے روز صبح کے وقت امام حسینؓ نے تمام فضا کو خون سے رنگین دیکھا، معرکہ شروع ہونے سے پہلے امام حسینؓ نے اپنا جھنڈا عباسؓ کے ہاتھ میں دیا اور یہ حکم دیا کہ عقب سے حفاظت کیجائے، خیموں کی لکڑی اور بانس وغیرہ اُکھاڑ کر خندق میں ڈال دی جائے اور اُس میں آگ لگا دی جائے تاکہ دشمن پیچھے سے آکر حملہ آور نہ ہو سکے۔ ادھر عمر بن سعد نے اپنی فوج کو دائیں بائیں اور وسط میں پھیلا دیا اور اپنا جھنڈا اپنے غلام زید کو دے دیا۔

اس موقعہ پر امام حسینؓ نے اپنی جماعت میں کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"حمد و ثناء کے بعد عرض ہے کہ اے لوگو! تم میری بات سُن لو اور عجلت سے کام نہ لو مجھے اس بات کا موقعہ دو کہ میں تم کو ضروری نصیحتیں کر سکوں اور اپنی بات پیش کر سکوں۔ اگر تم نے انصاف سے کام لیا تو تم نیک بخت اور خوش نصیب

ثابت ہو گئے اور میرے سر سے تمہاری ذمہ داری اُٹھ جائے گی اور اگر تم میرے مشورہ کو قبول نہیں کرنا چاہتے ہو تو پہلے آپس میں مشورہ کر کے کچھ فیصلہ کر لو تاکہ بعد میں آپ لوگوں کو کوئی عذر و معذرت باقی نہ رہے، اس کے بعد جس طرح چاہو اس طرح کرو، خدا کو جو منظور ہو گا وہ ہو کر رہیگا۔ خدا تعالیٰ صالح لوگوں کا والی ہے۔

ارکان اہل بیت نے جب حضرت امام حسینؓ کا یہ خطبہ سُنا تو چیخ چیخ کر رونے لگے۔ امام حسینؓ نے ان لوگوں کے پاس اپنے بھائی عباسؓ کو اور اپنے لڑکے علیؓ کو بھیجا تاکہ وہ جا کر ان کو خاموش کریں اور خود اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے:۔ "خدا کی قسم اس سے بھی زیادہ اُن کو رونا پڑے گا" یہ جو کچھ وہ فرما رہے تھے گویا پردۂ غیب کی طرف دیکھ کر فرما رہے تھے اور گویا وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔

شمر بن ذی الجوشن اور ابن زیاد کے دوسرے آدمی سب کے سب اس بات کا مصمم ارادہ کر چکے تھے کہ وہ یا تو امام حسینؓ سے جنگ و جدال کر کے رہیں گے یا پھر اُن کو یزید کی ماتحتی قبول کر دینے پر مجبور کر کے رہیں گے۔ یہ لوگ اس بات سے تو انکار ہی کر چکے تھے کہ امام حسینؓ کو دمشق یزید کے پاس جانے کا موقعہ دیا جائے، جسکی وجہ یہ تھی کہ ابن زیاد جانتا تھا کہ دارالخلافت میں یزید امام حسینؓ پر قابو نہ پاسکیگا اور وہ لامحالہ اس بات پر مجبور ہو گا کہ امام حسینؓ کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان کا اعزاز و اکرام کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی جانتا تھا کہ امام حسینؓ کو جو رسول اللہؐ کے نواسے ہیں اپنے زیر نگیں کرنے کا جو یہ موقعہ مل گیا ہے وہ پھر کبھی نہیں مل سکتا۔ ابن زیاد جیسے ظالم شخص کی بدنسبی، بد خلقی سے ہر شخص واقف تھا، یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسے ظالم و فاسق کی اطاعت حضرت امام حسینؓ جیسا بزرگ اور متقی شخص قبول کر لیتا۔ اس موقع پر حر بن یزید کی فطری شرافت نے جوش مارا۔ وہ پہلے بھی کوشش کر چکا تھا کہ یہ لڑائی نہ ہو اور اب پھر اس آخری وقت پر اُس نے کوشش کی۔ وہ آگے بڑھا اور عمر بن سعد سے کہا "خدا تیرا بھلا کرے تو اس شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

عمر بن سعد نے کہا۔ ہاں خدا کی قسم جنگ ہو کر رہیگی جسمیں سر اور ہاتھ کٹ کر رہینگے،
حُر نے پھر کہا کہ کیا کوئی ایسی صورت نہیں نکل سکتی جسمیں آپس کی رضامندی سے کوئی تصفیہ ہو سکے۔ عمر بن سعد نے کہا خدا کی قسم اگر یہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا لیکن یہ تمھارے امیر کا حکم ہے کہ کوئی تصفیہ نہ کیا جائے۔

حُر بن زید یہ گفتگو سنکر بیتاب ہو گیا اور اُس نے علانیہ ابن زیاد کا ساتھ چھوڑ دیا اور امام حسینؓ سے جا کر مل گیا۔ اور ابن زیاد کے خلاف جنگ شروع کر دی۔

معرکہ کربلا کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے عمر بن سعد آگے نکل کر آیا اور اُس نے یہ کہتے ہوئے امام حسینؓ پر تیر پھینکا کہ تم اس بات کے گواہ رہنا کہ امام حسینؓ پر پہلا تیر پھینکنے والا شخص میں ہوں۔ اس کے بعد لوگوں نے بھی تیر اندازی شروع کر دی، اور یسار نامی جو عبید اللہ بن زیاد کے باپ کا غلام تھا میدان میں آکر چلایا کہ جو میدان میں مقابلہ کے لئے آنا چاہے وہ نکل کر آئے۔ امام حسینؓ کی طرف سے عبد اللہ بن عمیر الکلبی جو اپنے بال بچوں کے ساتھ کوفہ سے نکل کر امام حسینؓ کی مدد کیلئے آئے تھے مقابلہ کیلئے آگے بڑھے، یسار نے پوچھا تم کون ہو، اُنھوں نے تعارف کرایا مگر یسار نے کہا میں تم کو نہیں پہچانتا میرے سامنے زہیر بن القین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو نکل کر آنا چاہیئے (یہ تینوں امام حسینؓ کے بڑے مددگار تھے) کلبی نے کہا خدا کی قسم تمھارے مقابلہ میں جو بھی نکل کر آئیگا وہ تم سے بہتر ہوگا۔ اُس کے بعد کلبی نے اُس پر اپنی تلوار کا وار کیا اور اُس کو پچھاڑ کر خوب زدوکوب کیا۔ اتنے میں کلبی کے مقابلہ کے لئے سالم مولی بن زیاد نکل کر آگیا اُس نے اپنی تلوار سے کلبی پر پیچھے سے ایسا وار کیا کہ کلبی کا ہاتھ اور اسکی انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ سالم کے دوسرے وار میں کلبی کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ کلبی کے بعد کلبی کی بیوی لاٹھی لیکر نکل آئی اور اُس نے اپنے شوہر کے پاس آکر کہا، تیرے اوپر میرے ماں باپ قربان تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کے لئے خوب لڑے۔ کلبی نے دم توڑتے ہوئے اپنی بیوی کو عورتوں میں واپس جانے کے لئے اشارہ کیا مگر اُس نے شوہر کی بات نہیں مانی اور کہا میں تجھے اس وقت تک

نہ چھوڑونگی جب تک میں خود تیرے ساتھ اپنی جان نہ دیدوں۔

پھر امام حسینؓ نے کلبی کی بیوی کو پکار کر کہا، میرے اہل بیت کی حفاظت میں جو ایثار تم نے کیا ہے اس کا بہتر بدلہ تم کو مل گیا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے اب واپس چلی آؤ عورتوں پر جنگ واجب نہیں ہے امام حسینؓ کے فرمانے پر وہ واپس چلی گئیں۔

عمر بن سعد جو امام حسینؓ کے ساتھیوں کے دائیں جانب تھا اس کے دائیں جانب سے عمر بن حجاج نے دھاوا بولا۔ اور جب عمر بن حجاج کی فوج امام حسینؓ کی فوج سے قریب ہوگئی تو اس نے اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھکر امام حسینؓ کے آدمیوں پر تیر اندازی شروع کردی مگر اسکی تیر اندازی امام حسینؓ کی سوار فوج پر اثر انداز نہ ہوسکی، اس نے واپس جانے کی کوشش کی مگر امام حسینؓ کے آدمیوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کردی ان کے بہت سے آدمیوں کو گھائل کردیا اور بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔

اب معرکہ بہت تیز ہوگیا تھا۔ عمر بن سعد کی جماعت امام حسینؓ کے ساتھیوں کے رو برو آکر غلبہ حاصل کرنے کے لئے زبردست مقابلہ کرنے لگی مگر حُر بن یزید وغیرہ نے جو امام حسینؓ کے ساتھ لڑ رہے تھے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور بالآخر انھیں لوگوں کو کامیابی ہوئی کیونکہ یہ لوگ اس یقین کے ساتھ کہ شہادت حاصل کرنیکے بعد اُن کو جنت میں جگہ ملیگی ثبت سے کھیل کر دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے اور اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ کس طرح ان کو اس جنگ میں شہادت نصیب ہوجائے برخلاف اس کے دشمن کے آدمی لالچ اور دنیا کے عارضی فائدہ کے لئے لڑ رہے تھے۔

امام حسینؓ کے ساتھیوں نے بڑا زبردست مقابلہ کیا۔ ان میں جو آدمی بھی کسی دشمن کا مقابلہ کرتا وہ اُس کو قتل کردیتا اور جس صف میں بھی گھس جاتا اُس کو چیر پھاڑ دیتا تھا۔ یزید بن زیاد کندی نے امام حسینؓ کے سامنے اپنے گھٹنوں کے بل پر کھڑے ہوکر دشمن پر تیر اندازی کی تھی اور ان پر تقریباً سو تیر پھینکے جن میں پانچ تیر بھی خالی نہیں گئے تھے۔

یہ یزید وہ شخص ہیں جو عمر بن سعد کے ساتھ کوفہ سے چند شرائط لیکر آئے تھے۔

اور جب ان شرائط پر تصفیہ نہیں ہو سکا تو وہ امام حسینؓ کے ساتھ شریک ہو گئے اور انھیں کے ساتھ آخر دم تک لڑتے لڑتے میدان جنگ میں شہید ہو گئے۔ اس شکست سے گھبرا کر شمر بن ذی الجوشن نکل کر آیا اور اس نے امام حسینؓ کی جماعت پر عمر کی فوج کی بائیں جانب سے آکر حملہ کیا۔ امام حسینؓ کی جماعت نے اس کا بھی مقابلہ اور مدافعت بڑی ثابت قدمی سے کی۔ کلبی نے خصوصیت سے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور دو آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد خود شہید ہو گئے۔ امام حسینؓ کی جماعت نے دشمن کی صفوں کو چیر پھاڑ کر ان کے ۳۲ شہسواروں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور پھر اہل کوفہ کے سواروں کی جس صف میں گھس گئے اُن کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ عروہ بن قیس نے جو اہل کوفہ کے سواروں پر نگراں تھا جب یہ تماشا دیکھا تو اُس نے عمر بن سعد کے پاس قاصد کے ذریعہ کہلوایا۔

"کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس تھوڑی سی تعداد والی جماعت نے ہمارے سواروں کو آج کس طرح پسپا کیا ہے، ان کے مقابلہ کے لئے تیر انداز اور پیادہ فوج اور بھیجو۔"

عمر بن سعد نے عروہ کے کہنے کے مطابق حصین بن نمیر کی سرکردگی میں کچھ اور تیر انداز آدمی مقابلہ کے لئے بھیجدئے انکی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔ حصین نے آگے بڑھکر مقابلہ کیا اور امام حسینؓ کی جماعت پر تیر پر تیر برسانا شروع کر دیے۔ اب امام حسینؓ کے سوار اور پیادہ آدمی زخمی ہونے لگے۔ حُر بن یزید کا گھوڑا بھی زخمی ہو گیا۔ حر بن یزید اپنے گھوڑے پر سے اُترے اور تلوار سے مقابلہ کرنے لگے مگر ان پر بہت سے دشمن ٹوٹ پڑے اور اُن کو شہید کر دیا۔

امام حسینؓ نے دشمن کی فوج کا بہت سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ عین نصف النہار کا وقت ہو گیا۔ عمر بن سعد نے دیکھا کہ اسکی فوج امام حسینؓ کے ساتھیوں پر بجز ایک سمت کے اور کسی سمت سے کسی طرح غلبہ حاصل نہیں کر رہی ہے۔ اور امام حسینؓ کے ساتھ لڑنے والے زبردست مقابلہ کر رہے ہیں تو اُس نے اپنے کچھ اور آدمی دائیں اور شمال کی طرف بھیجے تاکہ وہ امام حسینؓ کے آدمیوں کا محاصرہ کر لیں مگر

دشمن کا جو آدمی بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھیوں سے مقابلے کی ہمت کرتا اُس کو امام حسینؓ کے بہادر سپاہی مل کر قتل کر دیتے اور قریب ہی سے تیر کا شکار بنا لیتے۔ ایسی ناکامی کے بعد عمر بن سعد نے گھروں کو آگ لگانے کا حکم دیا چنانچہ گھروں میں آگ لگا دی گئی۔ امام حسینؓ نے اس وقت فرمایا اُن کو گھروں میں آگ لگا دینے دو۔ جب یہ لوگ آگ لگا دیں گے تو اُن کو اس کا موقع نہیں ملیگا کہ وہ اس طرح سے ہمارے اُوپر حملہ آور ہو سکیں، چنانچہ ویسا ہی ہوا۔

اسی درمیان میں کلبی کی بیوی نکل کر آئی اور کلبی کے سر کے پاس بیٹھ گئی اور شوہر کے چہرہ سے مٹی پونچھتے ہوئے کہنے لگی "تجھے جنت مبارک ہو" اتنے میں شمر نے اپنے غلام رستم نامی کو اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ رستم نے اس کے سر پر ایک ایسی ضرب کاری لگائی کہ وہ وہیں شہید ہو کر رہ گئی۔ ادھر شمر بن ذی الجوشن حملہ کرتا ہوا امام حسینؓ کے خیمہ تک پہونچ گیا یہاں پہونچکر اُس نے آواز لگائی کہ اس خیمہ میں آگ لگا دو تاکہ خیمہ اور خیمہ والے سب جل کر خاک ہو جائیں۔

خیمہ میں آگ لگا دی گئی، عورتیں باہر نکل آئیں، مگر شبث بن ربعی نے ان کو نکلنے سے روکا۔ اس اثناء میں زہیر بن القین نے امام حسینؓ کے دس ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور شمر اور اس کے ساتھی سب گھروں کا رُخ چھوڑ کر بھاگ پڑے مگر اسی دوران میں جب شمر کے ساتھیوں میں ابو عزہ کو مار گیا تو شمر کے ساتھی پھر امام حسینؓ کے آدمیوں پر ٹوٹ پڑے، حالت یہ تھی کہ امام حسینؓ کے ساتھیوں میں سے اگر ایک یا دو آدمی بھی مارے جاتے تو کم تعداد ہونے کے باعث ان میں کافی خلا پیدا ہو جاتا۔ لیکن اگر شمر کی فوج میں سے کچھ آدمی مارے جاتے تو چونکہ انکی تعداد کافی تھی اس لئے ان میں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ لڑتے لڑتے نماز ظہر کا وقت آگیا چنانچہ امام حسینؓ نے اپنی جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز صلوٰۃ الخوف کے طور پر ادا کی۔ زہیر بن القین نے بھی بڑا سخت مقابلہ کیا مگر بعد میں کثیر بن عبداللہ الشعبی اور مہاجرین اوس نے حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔ نافع بن ہلال البجلی نے اپنا نام تیروں کے سروں پر لکھ دیا تھا جن سے اُنھوں نے ۱۲ آدمی

کو جان سے مارے تھے اور بہتوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ شمر بن ذی الجوشن نے انکو گرفتار کر کے عمر بن سعد کے پاس اس حالت میں پہونچایا کہ اُن کے چہرہ سے خون جاری تھا۔ انھوں نے اس موقعہ پر کہا۔ میں نے تمھارے بارہ آدمیوں کو مارا اور کچھ لوگوں کو زخمی کیا۔ اگر میری کلائی اور بازو ضائع نہ ہو جاتا تو تم ابھی مجھے گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سنکر شمر نے اپنی تلوار سے ان کو قتل کر دیا۔ ادھر نافع نے یہ الفاظ کہے :۔

"خدا کی قسم اگر تو مسلمان ہوتا تو ہمارے خون کا پیاسا نہ ہوتا۔ ہمارے اس خون کے بدلہ میں تجھے اللہ کا دیدار نصیب نہ ہوگا" اس پر پھر شمر کو طیش آیا اور اُس نے نافع کو شہید کر دیا اور اس کے بعد امام حسینؓ کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوا۔ شمر کے اس حملہ کے وقت امام حسینؓ کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ دشمن اتنا طاقتور پڑ رہا ہے کہ وہ امام حسینؓ کی یا اپنی مدافعت کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ہیں اس لئے اُنھوں نے یہ طے کر لیا کہ اب مرنے کے لئے ہی لڑا جائے، چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحمانؓ جو عروہ غفاری کے بیٹے تھے، نکل کر مقابلہ کرنے لگے اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد امام حسینؓ کے سامنے حنظلہ بن سعد الشبامی آنکلے اور پکار کر کہا۔ "اے اہل کوفہ، قیامت کے دن کا خوف کرو، امام حسینؓ کو قتل نہ کرو، جو شخص افترا کرتا ہے وہ محروم ہوتا ہے:" اتنا کہکر آگے بڑھے مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد دو جابری نوجوان ایک سیف بن الحارث بن سریع اور دوسرا مالک بن عبداللہ بن سریع جو چچازاد بھائی تھے اور جو قبیلہ بنی سلم سے تعلق رکھتے تھے امام حسینؓ کو الوداع کہکر میدان جنگ میں کود پڑے اور شہادت حاصل کی۔ اس کے بعد عباس بن ابی شبیب الشاکری اور شوذب جو امام حسینؓ کے پاس آئے اُن کو سلام کیا اور آگے بڑھکر مقابلہ کیا۔ شوذب شہید ہو گئے، بعد ازاں عابس نے مبارزہ طلب کیا۔ لوگوں نے انکی شجاعت کی وجہ سے ان کو بچانا چاہا مگر عمر بن سعد نے للکارا کہ اس پر پتھروں کی بارش شروع کر دو چنانچہ چاروں طرف سے سنگ باری ہونے لگی۔ عابس نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنی زرہ اور خود کو اُتار کر پھینک دیا اور بڑی شدت سے لوگوں پر حملہ آور ہوئے۔ اور اُن کو منتشر بھی کر دیا مگر پھر دشمن نے پلٹ کر جوابی حملہ کیا تو عابس اُسکی تاب نہ لا سکے۔

اور جام شہادت پی کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

امام حسینؓ کی شہادت

نصف النہار کے وقت تک امام حسینؓ کے ساتھی ان کی مدافعت کرتے کرتے یکے بعد دیگرے سب کے سب شہید ہو گئے۔ میدان کربلا میں امام حسین کی جماعت کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ دشمن کی طاقت اتنی زبردست ہے کہ نہ اس پر فتح حاصل کیجا سکتی ہے اور نہ امام حسینؓ کو شہید ہونے سے بچایا جا سکتا ہے مگر پھر بھی یہ جماعت دشمن کا مقابلہ صرف اس خیال سے کر رہی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو امام حسینؓ کو دشمن کے ہاتھ سے چند لمحوں کے لئے بھی بچا لیا جائے اور ایسا نہ ہو کہ امام حسینؓ انکی آنکھوں کے سامنے شہید ہو جائیں اور وہ زندہ رہیں۔ اس جذبے سے متاثر ہو کر ہر فرد نے موت کو لبیک کہتے ہوئے نہایت ہشاش بشاش ہو کر چمکتی ہوئی تلواروں کے سایہ میں بے دھڑک دشمن کا مقابلہ کیا۔ اس جماعت کے تقریباً تمام لوگوں کے شہید ہو جانے کے بعد بنی ہاشم کے نوجوان بھی میدان کارزار میں نکل کر آ گئے جو اپنے باپ اپنے چچا اور اپنے چچا زاد بھائیوں کی حفاظت کے لئے دل و جان سے قربان ہو جانا چاہتے تھے۔ ان میں سب سے پہلے علی اصغر میدان میں کود کر آئے جن کی عمر ابھی ۱۹ برس ہی کی تھی اور جو بحد شائستہ اور حسین تھے، ان کا چہرہ صبح کی روشنی کی طرح چمکدار تھا۔ علی اصغر نے دشمن کی فوج پر یہ کہتے ہوئے حملہ کیا کہ

اَنَا علیؓ ابن حسین ابن علی

نحن و رب البیت اولی بالنبی

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

(میں علی حسین ابن علی کا بیٹا ہوں، رب بیت اللہ کی قسم ہم نبی سے زیادہ قریب ہیں، خدا کی قسم ایک بدنسب ہمارے اوپر حکمرانی نہیں کر سکتا"

یہ شعر علی اصغر نے دوران حملہ میں بار بار پڑھا۔ علی اصغر حملہ کرتے کرتے اپنے سامنے سے

شدت حملہ کی وجہ سے ہٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مرہ بن منقذ العبدی نے علی اکبر پر حملہ کیا اور ان کو شہید کر دیا۔ امام حسینؓ اپنے لڑکے علی اکبر کی طرف بڑھے اور ان کے ساتھ اُن کے اور لڑکے بھی بڑھے، امام حسینؓ نے لڑکوں سے کہا کہ علی اکبر کو اُٹھا کر لیجاؤ۔ اُنکو اُٹھا کر اس خیمہ کے سامنے لاکر رکھدیا گیا جس کے سامنے سے مدافعت کی جارہی تھی، امام حسینؓ کی ہمشیرہ زینب اپنے بھتیجے کی بے دردانہ شہادت پر بیتاب ہو گئیں، اُنھوں نے چلّاکر کہا: ہائے میرا بھائی! ہائے میرا بھتیجا! کہکر علی اکبر پر گر پڑیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے صبر کی تلقین کی اور زینبؓ کو خیمہ میں واپس کر دیا۔

بنو ابی طالب میں علی اکبر سب سے پہلے شہید ہوئے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے بنو ہاشم شہید ہوئے، چنانچہ عبداللہ بن مسلم بن عقیل، عون بن عبداللہ بن جعفر، محمد بن عبداللہ بن جعفر، عبدالرحمان بن عقیل بن ابی طالب اور جعفر بن عقیل وغیرہ سب شہید ہو گئے۔

اس کے بعد قاسم بن الحسنؓ بن علی جو ابھی لڑکے ہی تھے اور جن کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر نکلے، ان پر عمر بن سعد بن نفیل الازدی نے حملہ کیا اور ان کا سر تلوار سے اُڑا دیا۔ قاسم اپنے چہرہ کے بل زمین پر ہائے میرے چچا! کہتے ہوئے گر پڑے۔

حضرت امام حسینؓ نے ایک غصہ ور شیر کی طرح حملہ کرتے ہوئے عمر پر تلوار کا وار کیا۔ عمر نے اس وار کو اپنی کلائی پر روکا۔ امام حسینؓ کے وار سے عمر کی کلائی کہنی سے کٹ کر الگ گری، غبار اُڑنے لگا۔ اسی حالت میں امام حسینؓ قاسم کے سر کے پاس کھڑے ہوئے اپنے پیروں سے قاسم کو ڈھونڈھ رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے:

۰ اپنے چچا کو نہ بلا! اُس کو یاد نہ کر، وہ تیری آواز کا کیا جواب دیسکتا ہے؟ اور جواب دینا بھی چاہے تو اس سے تجھے کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ یہ ایسا دن ہے کہ اس کو تنہا چھوڑنے والے بہت ہیں اور مددگار نیوالا کوئی نہیں۔ اس کے بعد قاسم کو اپنے سینے پر اُٹھا کر اپنے بیٹے علی اکبر اور اُن لوگوں کے پاس جو پہلے سے شہید ہو چکے تھے لٹا دیا۔

اس کے بعد امام حسینؓ خیمہ کے سامنے بیٹھ گئے اور اپنے بیٹے عبداللہ کو جو ابھی شیر خوار بچہ تھے لاکر اپنی گود میں بٹھایا۔ بنی اسد کے ایک آدمی نے عبداللہ پر تیر پھینکا جو ان کی گردن پر لگا اور اس معصوم جان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ عبداللہ کا خون امام حسین کی ہتھیلی پر گر رہا تھا، جب انکی ہتھیلی خون سے بھر گئی تو انھوں نے خون کو زمین پر بہا دیا۔ پھر اُٹھا کر مقتولین اہل بیت کے ساتھ رکھدیا۔ عبداللہ بن عقبہ نے ابو بکر بن حسن بن علی کو بھی ایک تیر مار کر ختم کر دیا۔ عباس بن علی نے جب دیکھا کہ ان کے گھر کے تقریباً سب لوگ شہید ہو چکے ہیں تو انھوں نے اپنے سوتیلے بھائیوں عبداللہ، جعفر اور عثمان سے کہا۔ تم بھی آگے بڑھکر حملہ کرو تاکہ میں دیکھوں کہ تم نے بھی اللہ اور اس کے رسول کے دین کے لئے کچھ کام کیا ہے، چنانچہ ان میں عبداللہ آگے بڑھے اور سخت مقابلہ کر کے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جعفر بن علی بڑھکر شہید ہوئے اور اسکے بعد عثمان بن علی شہید ہوئے۔ عثمان بن علی پر بنی ایان بن دارم کے ایک آدمی نے حملہ کیا اور اس نے عثمان علی کا سر قلم کر ڈالا۔ بنی ایان کے ایک اور آدمی نے محمد بن علی بن ابی طالب پر حملہ کر کے ان کو ختم کیا۔ ایک خیمہ سے آل حسینؓ میں سے ایک لڑکا نکل کر آیا، اس پر ایک آدمی (کہا جاتا ہے کہ وہ ہانی بن ثبیت الحضرمی تھا) نے حملہ کیا اور اس کو شہید کر دیا۔

اس اثناء میں امام حسینؓ کو بڑی سخت پیاس لگی، وہ پانی پینے کے لئے فرات کے قریب آئے ان کے ساتھ ان کے بھائی عباس بھی تھے۔ ابن سعد کے گھوڑے امام حسینؓ کے راستہ میں حائل ہو گئے۔ ان سواروں میں حصین بن نمیر بھی تھا۔ اس نے ایک تیر امام حسینؓ پر مارا جو امام حسینؓ کے مُنہ پر آکر لگا۔ امام حسینؓ نے اس کو نکالکر پھینکا اور اپنے ہاتھوں سے خون پونچھنے لگے چنانچہ ان کے دونوں ہاتھ خون سے بھر گئے۔ امام حسینؓ نے اپنا خون آسمان کی طرف پھینکا۔

امام حسینؓ زبردست پیاس کے باوجود اپنی جگہ واپس آگئے اور عباس کو دشمن کی جماعت نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور اُن کو امام حسینؓ سے علٰحدہ کر دیا مگر یہ تن تنہا دشمنوں سے مقاتلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ وہ اس وقت تک حملہ کرتے رہے جبتک

کہ ان میں حرکت کرنیکی کچھ بھی سکت رہی۔

امام حسینؓ جب اپنے خیمہ پر واپس آئے تو شمر بن ذی الجوشن اپنے آدمی لیکر بڑھا وہ اپنے آدمیوں کو امام حسینؓ کے قتل پر آمادہ کرنے لگا۔ امام حسینؓ حملہ کرنے لگے ان کے حملہ کی شدت سے دشمن کے آدمی الگ ہو ہو جاتے تھے مگر پھر امام حسینؓ کو ان سب نے محاصرہ میں لے لیا اور کندہ کا ایک آدمی جس کا نام مالک تھا تیزی سے آگے بڑھا اور امام کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ امام حسینؓ کے سر پر ٹوپی تھی جو اس کے وار سے کٹ گئی اور سر سے خون بہنے لگا۔ تمام ٹوپی خون سے آلودہ ہو گئی۔ امام حسینؓ نے ٹوپی اُتار کر پھینکدی اور اپنا سر ایک کپڑے سے باندھ لیا اور ایک اور ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھ لیا۔

عبداللہ بن حسن بن علی جو ابھی کم سن ہی تھے امام حسینؓ کے پاس آئے اور ان کے ایک پہلو کی طرف کھڑے ہو گئے۔ بحر بن کعب نے امام حسینؓ پر حملہ کرنا چاہا تو عبداللہ ابن حسن نے کہا، اے خبیث ماں کے بیٹے تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے اس پر بحر بن کعب نے عبداللہ ابن حسن پر تلوار کا وار کیا۔ عبداللہ ابن حسن نے اس کا وار اپنے ہاتھ پر روکا جس کا چمڑا کٹ گیا، اُس کے بعد عبداللہ ابن حسن شہید ہو گئے، امام حسینؓ نے ان کو اپنے سینہ سے لگا کر اُٹھایا اور کہا، اے میرے بھتیجے جو تیرے اُوپر مصیبت نازل ہوئی اس پر صبر کر، تجھے اللہ تعالےٰ تیرے پاک و مقدس باپ دادا سے جنت میں ملا دیگا۔ امام حسینؓ نے اپنی آنکھ آسمان کی طرف اُٹھائی اور اللہ سے چپکے چپکے یہ دعا کرنے لگے۔ "اے اللہ تو ان دشمنوں پر بارش کا پانی نہ برسا، اُن کو زمین کی برکتوں سے محروم رکھ، اے اللہ تو ان کے گروہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اُنھوں نے ہمکو بُلایا کہ وہ ہماری مدد کریں گے مگر حد سے تجاوز کر کے اُنھوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کر ڈالا ہے۔"

پھر سامنے جو لوگ تھے ان پر حملہ کیا وہ سب پیچھے ہٹ ہٹ گئے اب امام حسینؓ کے تین یا چار آدمی باقی رہ گئے تھے جب یہ بھی قتل ہو گئے اور امام حسینؓ انتہائی شدید

زخموں کی حالت میں تنہا باقی رہ گئے تو دشمنوں کے بہت سے آدمیوں نے دائیں بائیں سے ان پر حملہ کیا۔ امام حسینؓ نے اپنے دائیں طرف کے لوگوں کے حملہ کا جواب دیا اور اُن کو منتشر کر دیا، پھر بائیں طرف کے لوگوں پر حملہ کیا اور اُن کو بھی منتشر کر دیا یہانتک کہ سب دشمن گھبراہٹ کی حالت میں دور دور ہٹ گئے۔ حضرت امام حسینؓ اپنے بچوں، اہل بیت اور تمام ساتھیوں کے ایک ایک کر کے شہید ہو جانے کے باوجود بھی مطمئن اور پُر سکون نظر آتے تھے خصوصاً ایسے وقت جبکہ چاروں طرف سے ان پر سخت حملہ بھی کیا جا رہا تھا۔

صرف حضرت زینبؓ بچ سکی تھیں جو خیمے سے باہر نکل آئی تھیں اور بار بار کہتی تھیں: "کاش آسمان زمین پر پھٹ پڑے" یہ آپ نے عمر ابن سعد کی طرف دیکھ کر کہا اے عمر کیا ابو عبداللہ قتل کر دیے جائیں گے اور تو دیکھتا رہیگا۔ عمر کے آنسو نکل پڑے یہاں تک کہ عمر کے آنسو اس کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے اور اُس نے اپنا منہ زینبؓ کی طرف سے پھیر لیا۔

امام حسینؓ ایک بہادر شہسوار کی طرح تیروں سے بچتے ہوئے سواروں پر بڑی تیزی سے حملہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "کیا تم لوگوں نے میرے قتل پر اتفاق ہی کر لیا ہے۔ خدا کی قسم تم میرے بعد کسی شخص کو بھی قتل کر کے اتنی تکلیف نہ اُٹھاؤ گے جتنی تکلیف مجھے قتل کر کے اُٹھاؤ گے۔ خدا کی قسم مجھے اُمید ہے کہ تمہاری اس حرکت سے اللہ تعالےٰ مجھے زیادہ عزیز بنائے گا اور پھر تم سے اللہ تعالیٰ میری طرف سے ایسا انتقام لیگا جس کا تم کو احساس بھی نہ ہو گا۔ اس کے بعد بڑی دیر تک ٹھہرے رہے، اگر لوگ چاہتے تو اُن کو قتل کر ڈالتے لیکن ہر شخص ایک دوسرے پر ٹال کر اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کر شمر بن ذی الجوشن نے سواروں کو للکارا تو سوار پیادوں کے پیچھے ہو گئے۔ شمر نے اُن کو حکم دیا کہ وہ امام حسینؓ پر تیر ماریں اُنھوں نے امام حسینؓ پر تیر برسائے تو وہ پیچھے ہٹ گئے اور یہ سب ان کے مقابلہ سے ٹھہر گئے۔ شمر نے پھر لوگوں کو للکارا تمھارا بُرا ہو، کیا دیکھتے ہو امام حسین کو قتل کر دو، پھر ان سب نے امام حسینؓ پر چاروں

طرف سے حملہ کیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے امام حسینؓ کے بائیں ہاتھ پر وار کیا اور اُسکو کاٹ دیا اور دوسرے نے ان کے کاندھے پر وار کیا، اب امام حسینؓ اپنے چہرہ کے بل گر پڑے اس کے بعد یہ دشمن ہٹ گئے۔ امام حسینؓ کھڑے ہوتے تھے اور گر پڑتے تھے، اس حالت میں سنان ابن انس النخعی نے امام حسینؓ پر ایک اور وار کیا اور ان کے ایک تیر مار کر ان کو گرا دیا۔ خولی بن یزید اصبحی تیزی سے آگے بڑھا اور گھوڑے سے اُتر کر چاہا کہ امام حسینؓ کا سر قلم کر لے مگر پھر کانپنے لگا۔ سنان نے اس سے کہا اللہ تیرے بازو کو شل کر دے، یہ کہکر وہ خود گھوڑے سے اُترا اور امام حسینؓ کو ذبح کر دیا اور سر کو قلم کر کے خولی کے سپرد کر دیا۔

کتاب المفید میں ہے کہ امام حسینؓ کو ذبح کر کے اور سر قلم کر کے خولی کو شمر نے دیا تھا۔ دشمنوں نے امام حسینؓ کا سامان لوٹ لیا اور ان کی نعش کو میدان میں اسی طرح چھوڑ دیا۔ اس کے بعد دشمنوں نے امام حسینؓ کے کپڑے اُن کے اونٹ اور ان کا مال و متاع سب لوٹا۔

امام حسینؓ کے جسم میں ۳۳ زخم نیزوں کے اور ۳۴ زخم تلوار کے آئے۔ سوید ابن ابی المطع ان مقتولین کے ساتھ بچھڑے پڑے ہوئے تھے اُنھوں نے سُنا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ امام حسینؓ قتل ہو گئے تو اُن کو جب ذرا سہارا ہوا تو اُچھل کر آئے اُنکے پاس صرف ایک چھُری تھی اور انکی تلوار چھن چکی تھی اُنھوں نے تھوڑی دیر اسی چھری سے اور مقاتلہ کیا اور آخر کار قتل ہو گئے، یہ سب سے آخری شخص تھے جو میدان کارزار میں شہید ہو گئے۔

اس کے بعد یہ لوگ علی بن حسین زین العابدین کے پاس گئے جو بہت مریض تھے اور بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ شمر نے ارادہ کیا کہ اُن کو بھی قتل کر دے، لیکن حمید بن مسلم نے کہا "سبحان اللہ کیا بچے بھی قتل کئے جائیں گے۔"

شمر کے ساتھ ایک پیادہ فوج تھی جس نے شمر سے کہا "اس بیمار کو قتل نہ کرو۔ اس کے بعد عمر بن سعد آیا اور اس نے عورتوں پر زیادتی کرنے سے روکا۔

عمر بن سعد نے خیمہ کو اور عورتوں کے مکانوں کو اور علی بن الحسینؓ کو اپنے چند آدمیوں کے سپرد کیا کہ وہ انکی حفاظت کریں اس کے بعد عمر ابن سعد میدان جنگ میں آیا اور آواز دی کہ جو شخص چاہے وہ امام حسینؓ کی نعش پر اپنا گھوڑا دوڑا سکتا ہے اس کے لئے دس آدمی تیار ہوئے اور انھوں نے اپنے گھوڑوں سے امام حسینؓ کی نعش کو بیدردی سے روندا۔

دن ختم ہوا اور آفتاب زمین کے اس منظر سے غمگین ہو کر چھپ گیا۔

جب عمر ابن سعد یہاں سے چلا گیا تو بنی اسد کے کچھ لوگ جو میدان کارزار سے قریب ٹھہرے ہوئے تھے امام حسینؓ اور ان کے مقتول ساتھیوں کے پاس نکل کر آئے اور ان پر نماز جنازہ پڑھی اور وہیں امام حسینؓ کو دفن کر دیا۔

کتاب المفید میں ہے کہ ان بنی اسد کے لوگوں نے امام حسینؓ کو جس قبر میں دفن کیا تھا وہ اسی جگہ پر ہے جہاں امام حسینؓ قتل ہوئے تھے۔ یہ جگہ غاضریہ[1] کے راستہ پر ہے اسی جگہ پر امام حسینؓ کے بیٹے علی اصغر کو بھی امام حسینؓ کے قدموں کے پاس دفن کیا گیا اور اسی جگہ پر تمام شہدا اور عباس ابن علی کو بھی دفن کیا گیا تھا۔

امام حسینؓ کے سر کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ انکا سر دمشق میں دفن کیا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ مدینہ بھیجدیا گیا اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ امام حسین کے ساتھ قتل ہونے والے آدمیوں کی تعداد بہتر ہے ان میں اہل بیت میں سے امام حسین کے بھائی عباس، عبداللہ، جعفر، عثمان ہیں (یہ ام البنین کے بیٹے

---

[1] موجودہ کربلا ۱۲ [2] امام حسین کی شہادت کے بعد عمر بن سعد کربلا میں دو روز مقیم رہا۔ اس کے بعد کوفہ کی طرف کوچ کیا اور اپنے ساتھ امام حسین کی لڑکیوں، بہنوں اور ان کے علاوہ ان کے ساتھیوں اور بچوں اور علی بن حسین کو بھی لے گیا (علی ابن حسین بیمار تھے)، عمر بن سعد جس وقت قتل گاہ سے گزرا تو دیکھا کہ امام حسینؓ کا جسم مبارک میدان میں پڑا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر تمام عورتیں خصوصاً زینبؓ نے چیخ کر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حسینؓ ہیں جو میدان میں خون میں آلودہ پڑے ہوئے ہیں جن کے اعضاء کٹے ہوئے ہیں اور تمھاری لڑکیاں قید میں ہیں اور تمھاری اولاد قتل ہو چکی ہے، زینبؓ یہ کہکر رونے لگیں اور ان کے ساتھ اور لوگ بھی رونے لگے اور اسوقت لوگوں نے احساس کیا کہ انھوں نے کتنا عظیم الشان عدوان کیا ہے اور کتنا بڑا جرم کیا ہے ۱۲

ہیں)، اور عبداللہ اور ابو بکر ہیں (انکی ماں لیلیٰ بنت مسعود الثقفیہ ہیں) اور محمد ہیں، (انکی ماں ام ولد ہیں) اور امام حسینؓ کے دو بیٹے علی اور عبداللہ ہیں اور امام حسینؓ کے بھتیجے امام حسنؓ کے لڑکے قاسم ابو بکر عبداللہ ہیں اور عبداللہ ابن جعفر کے دو بیٹے محمد اور عون اور بنی عقیل ابن ابی طالب اور عبداللہ ابن مسلم ابن عقیل ہیں۔

عمر بن سعد کے آدمیوں میں زخمیوں کے علاوہ ۸۸ آدمی قتل ہوئے۔

امام حسینؓ کی عمر ۵۸ برس کی اور ایک قول کے مطابق ۶۱ برس کی ہوئی تھی اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں مگر قول اول زیادہ صحیح ہے۔

امام حسین کی شہادت ۱۰ محرم ۶۱ھ میں نماز ظہر کے بعد عاشورہ کے دن واقع ہوئی۔ امام حسینؓ کے شہید ہونے کے بعد عمر بن سعد نے ان کا سر اسی روز ابن زیاد کے پاس بھجدیا اور حکم دیا کہ امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں اور اہل بیت کے سر کاٹ لئے جائیں، چنانچہ سب کے سر کاٹے گئے جن کی تعداد ۷۲ تھی اور شمر بن ذی الجوشن، قیس بن الاشعث، عمر بن الحجاج اور عروہ بن قیس کے ساتھ ان سروں کو بھیجا گیا جو اپنے نیزوں پر لٹکا کر لے گئے۔[1]

ابن زیاد کے پاس

ابن زیاد قصر الامارۃ میں بیٹھا ہوا ہے لوگوں کو اندر آنے کی عام اجازت ہے، امام حسین کا سر مبارک اس کے سامنے طشت میں رکھا ہوا ہے وہ اس کو بار بار دیکھ رہا ہے اور کبھی کبھی مسکرا دیتا ہے۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہے جس کو وہ دندان مبارک میں بار بار چبھو رہا ہے۔ ابن زیاد اس وقت اتنا خوش نظر آرہا ہے گویا اس کو بادشاہت یا حکومت مل گئی ہے وہ اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ تمام جھگڑا ختم

---

[1] واقعہ شہادت کو بالقصد مختصر لکھا گیا ہے کیونکہ اس کی تفصیل اکثر متداول کتب میں بیان ہو چکی ہے اس کے علاوہ اس کتاب کا موضوع صرف یزید بن معاویہ کی زندگی ہے جس میں امام حسینؓ کی شہادت مفصل بیان کی محتاج نہیں ۱۲ مترجم

ہو گیا اور میدان بالکل ہموار ہو گیا ہے، ابن زیاد کی اس مجلس میں اس کے ہمنشیں یزید بن ارقم صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔ یزید بن ارقم بہت عمر رسیدہ شخص تھے جب اُنھوں نے دیکھا کہ ابن زیاد اپنی لکڑی امام حسینؓ کے دہن مبارک سے نہیں اُٹھاتا ہے تو اُنھوں نے کہا اس لکڑی کو دندانِ مبارک سے ہٹالو۔ قسم ہے اُس ذات الٰہی کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ مبارک ان ہونٹوں کو پیار کیا کرتے تھے؛ یہ کہکر یزید بن ارقمؓ رونے لگے۔

ابن زیاد نے اُن سے کہا "اللہ تیری آنکھوں کو رُلائے۔ خدا کی قسم اگر تم ضعیف بوڑھے نہ ہوتے اور تمھاری عقل خراب نہ ہو گئی ہوتی تو میں تمھاری گردن اُڑادیتا" یزید بن ارقم یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ" اے عرب کے غلامو! آج تم نے فاطمہؓ کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ اور ابن مرجانہ[1] کو اپنا امیر بنالیا۔

امام حسینؓ کی بہن زینبؓ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ابن زیاد کے پاس اس حالت میں آئیں کہ اُن کے کپڑے پھٹے پُرانے تھے اور محل کے ایک کونہ میں بیٹھ گئیں۔ عبید اللہ بن زیاد نے کہا "یہ کون عورت ہے جو یہاں ان عورتوں کے ساتھ ایک کونہ میں آکر بیٹھ گئی ہے۔

زینبؓ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے تین بار اپنا یہ فقرہ دہرایا مگر زینبؓ نے کوئی بات نہیں کی، حتیٰ کہ ان کی ایک باندی نے کہا " یہ زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم ہیں۔ ابن زیاد نے کہا، اس خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا۔ قتل کرایا اور تمھاری بات کو غلط کرایا۔

زینبؓ نے جواب دیا خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو نبی سے اعزاز بخشا اور ہمکو ہر ناپاکی سے پاک کیا۔ رسوا تو فاسق ہوتا ہے اور فاجر کو جھٹلایا جاتا ہے،

---

[1] ابن زیاد کا تحقیری نام ۱۲

اور خدا کا شکر ہے کہ وہ ہمارے سوا دوسرے لوگ ہیں۔

ابن زیاد نے کہا۔۔ اہل بیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟

زینبؓ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہادت مقدر کی تھی اسلئے وہ میدان کارزار کی طرف نکل کر آئے اور شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمکو اور ان کو جمع کریگا۔ اور اس وقت تم اللہ کے نزدیک دشمن کی طرح پیش ہو گے۔

ابن زیاد نے غصہ میں آکر کہا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے اہل بیت کے سرکش، باغی اور نافرمان لوگوں کے قتل سے میرے دل کو تسکین دی ہے۔

زینبؓ نے رو کر کہا میری جان کی قسم تم نے میرے ادھیڑ عمر کے بزرگ کو جان سے مارا اور میری شاخ کو کاٹا، میری جڑ کو اکھاڑا۔ اگر تجھے اس سے ہی شفا مل سکتی تھی تو ملتی رہے۔

ابن زیاد نے کہا، یہ عورت بڑی مقفیٰ عبارت بولنے والی ہے۔ بخدا اس کا باپ بھی بڑا شاعر اور مقفیٰ عبارت بولنے والا تھا۔

زینبؓ نے کہا، ایک عورت کو قافیہ بندی سے کیا تعلق، مجھے قافیہ بندی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ابن زیاد نے اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسوں پر نظر ڈالی تو اسکی نگاہ علی ابن حسین پر پڑی ان سے پوچھا تو کون ہے، جواب ملا علی ابن حسین، ابن زیاد نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے علی ابن حسین کو قتل نہیں کیا؟

علی بن حسین نے جواب دیا، میرا ایک بھائی تھا اس کا نام بھی علی تھا، اسکو تو لوگوں نے ضرور قتل کر ڈالا ہے، ابن زیاد نے کہا، اُس کو اللہ نے قتل کیا ہے علی بن حسین نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کو اُس کی موت کے وقت مارتا ہے، کوئی شخص بھی اللہ کے حکم کے خلاف نہیں مرتا۔

اس پر ابن زیاد کو غصہ آگیا، اس نے کہا تیرے اندر مجھے جواب دینے کی جرأت کیسے ہو گئی ہے اور اس کے بعد ابن زیاد نے کہا، میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ یہاں کس طرح

پہونچ گیا، اس کو لیجا کر اس کی گردن اُڑا دو۔

زینبؓ (علی کی پھوپھی) نے اس کو گلے سے چمٹا لیا اور کہا اے ابن زیاد، کیا ہمارے خونوں سے تو اب بھی سیراب نہیں ہوا۔ خدا کی قسم میں اُس کو اپنے سینہ سے جُدا نہیں کرونگی، اگر تو اس کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر دے۔

ابن زیاد نے اس حد سے زیادہ تجاوز نہیں کیا اور غصہ کی حالت میں اپنی مجلس سے اُٹھ کر مسجد کی طرف چلا۔ اور اَلصَّلوٰۃُ جَامِعَۃٌ کی ندا دی، لوگ جمع ہو لئے۔ وہ ممبر پر چڑھ کر بولا، اس خدا کی تعریف ہے جس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیرالمومنین یزید بن معاویہ اور انکی جماعت کو فتح نصیب کی، اور کذاب ابن کذاب حسین ابن علی اور اسکی جماعت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ سُنکر عبداللہ ابن حنیف الازدی کود کر سامنے آئے، عبداللہ نابینا تھے، انکی ایک آنکھ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل میں اور دوسری آنکھ جنگ صفین میں ختم ہو گئی تھی اُنھوں نے کہا اے ابن مرجانہ! کیا تو نبیوں کے بیٹوں کو قتل کر کے منبر پر صدیقین کے قائم مقام کھڑا ہوتا ہے۔ جھوٹا تو ہے اور تیرا باپ، اور جھوٹا ہے وہ جس نے تجھے والی بنایا اور اس کا باپ جھوٹا۔

ابن زیاد نے کہا اُس کو یہاں لاؤ، جلادوں نے عبداللہ ابن حنیف کو پکڑ لیا۔ عبداللہ نے شعار الازد کو یا مبرور کر کے ندا دی یہ سُنکر ازد کے کچھ جوان کود کر آگئے اور اُنھوں نے عبداللہ کو چھڑا لیا۔ جب رات ہوئی تو عبداللہ کو ان کے گھر سے پکڑ لایا اور ان کو قتل کرنے اور سولی پر چڑھانے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ ان کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جب صبح ہوئی تو ابن زیاد کے حکم سے امام حسینؓ کا سر مبارک ایک نیزے پر لٹکا کر تمام کوفہ میں پھرایا گیا۔ اس کے بعد سر مبارک اور امام حسینؓ کے ساتھیوں کا سر یزید ابن معاویہ کے پاس بھیجدیے گئے۔ امام حسینؓ کی عورتوں اور بچوں کو بھی بھیجنے کا حکم دیا گیا اور انکو بھی دمشق پہونچا دیا گیا۔ علی ابن حسینؓ کو ان کے دونوں ہاتھ زنجیروں سے باندھکر بھیجا گیا۔ جب یزید کے سامنے اُن کو پیش کیا گیا اور سر مبارک بھی اُن کے سامنے رکھا گیا تو امام حسینؓ کی لڑکیاں فاطمہؓ اور سکینہؓ سر مبارک کو دیکھ دیکھ کر رو رہی تھیں۔ ان کے دل

غم سے ٹوٹے جا رہے تھے۔ اس منظر سے یزید بھی متاثر اور مضطرب ہوا۔ یزید اپنی بیگناہی ثابت کرنے کے لئے فاطمہ اور سکینہ کو تسکین دیتے ہوئے کہنے لگا، یہ میرے علم کے بغیر ہوا اگر اس کا معاملہ مجھ تک پہونچتا تو معاف کر دیا جاتا، درگزر کر دیا جاتا اور نرمی سے کام لیا جاتا۔

علی بن حسین جب ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے یزید کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے ہتھکڑیاں کھولنے کا حکم دیا اور کہا، اے حسینؓ کے بیٹے تیرے باپ نے میرے ساتھ قطع رحمی کی تھی اور میرے حق کا انکار کیا تھا اور میری حکومت میں جھگڑا کیا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تو دیکھ رہا ہے۔ علی نے جواب دیا ہر مصیبت کتاب اللہ میں لکھی ہوئی ہے اور یہ آیت پڑھی۔ لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم، واللہ لا یحب کل مختال فخور (تاکہ تم اس چیز پر افسوس نہ کرو جو تم سے چھن جائے اور اس چیز پر نازاں نہ ہو جو اللہ نے تم کو دی ہے، اللہ تعالیٰ کسی افتخار و مباہات کرنوالے کو دوست نہیں رکھتا)

اس کے بعد یزید کے حکم سے علی اور خواتین اہل بیت کو اس کے مکان سے متصل ایک مکان میں ٹھیرایا گیا۔ تھوڑے دن کے بعد یزید نے اُن کو مدینہ بھیجدیا اور انکی ضروریات کے مطابق ان کو مال و متاع بھی دیدیا اور انکی خدمت کے لئے اپنے کچھ آدمی بھی بھیجدیے اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ انکی حفاظت کریں اور ہر قسم کی نرمی اور رعایت کریں اور معرکۂ جنگ میں جو مال و متاع ضائع ہوا تھا اور ابن زیاد کی جماعت نے جو سامان چھینا تھا اس کا معاوضہ بھی دیا۔

جب امام حسینؓ کا سر مبارک یزید کے پاس پہونچا تو اس نے ابن زیاد کے اس حرکت کو درست سمجھا اور خیال کیا تھا کہ اب اسکی سلطنت مستحکم ہوگئی اور لوگ سر تسلیم خم کر چکے ہیں مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد لوگ یزید پر لعنت بھیجنے لگے اور اسکو محسوس ہوا کہ امام حسینؓ کو قتل کر کے اس نے کچھ اچھا کام نہیں کیا۔ چنانچہ کہنے لگا، مجھے کیا ہو گیا تھا

لہ یزید نے اپنے عامل (ابن زیاد) کو امام حسینؓ کا سر قلم کرنے کا حکم دیا تھا۔ الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۲۴۵

میں تکلیف برداشت کرلیتا اور امام حسینؑ کو بلاکر اپنے مکان میں ٹھیرالیتا اور جو وہ چاہتے ویسا ہی ان کے ساتھ سمجھوتہ کرلیتا۔ اس کے علاوہ رسول کے حقوق کی حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا لیکن ابن مرجانہ پر اللہ کی لعنت ہو اسی نے اس انجام کو پہونچایا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ امام حسینؑ کو چھوڑ دے اور انکو واپس جانے دے۔ مگر اس نے ایسا نہیں کرنے دیا۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا تھا کہ امام حسینؑ کو میرے ہاتھ پر بیعت کرلینے دے یا ان کو کسی سرحد پر چلا جانے دے جہاں وہ اپنی تمام زندگی گزار دیں۔ مگر ابن مرجانہ نے اس کو نہ مانا اور امام حسینؑ کو قتل کروادیا اور مسلمانوں کا بغض میرے لئے پیدا کرادیا اور ان کے دلوں میں عداوت کا بیج بو دیا۔

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ زینبؑ نے میدان کربلا میں ابن زیاد کی مجلس میں اور قصر یزید میں اپنی جس شجاعت و دلیری اور صبر و تحمل کا ثبوت دیا اسکی مثال مشکل سے ملسکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زینبؑ جس وقت قصر یزید میں اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھیں اس وقت یزید کے ایک شامی دوست نے یزید سے فاطمہ بنت علی کو (کتاب مفید کی روایت کے مطابق فاطمہ بنت حسینؑ کو) اپنے لئے مانگا یہ سُن کر فاطمہ اپنی پھوپھی زینبؑ کے دامن سے جاکر چمٹ گئیں۔ زینبؑ نے اس موقعہ پر شامی کو پھٹکارا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کتاب مفید میں اتنا اور اضافہ ہے کہ زینبؑ کا یہ جواب سُنکر یزید کو طیش آگیا اُس نے کہا تم جھوٹی ہو اگر میں چاہوں تو فاطمہ پر اپنا قبضہ کرسکتا ہوں۔ زینبؑ نے اسکا بھی دلیری سے جواب دیا، خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوسکتا اور اس طرح اُن کے یہ ناپاک ارادے برباد ہوگئے۔

اہل کوفہ کا امام حسین کو کوفہ آنے کی دعوت دینا۔ ان کی مدد کرنے کا وعدہ کرنا اور پھر ان کا ساتھ چھوڑ دینا وغیرہ ایسے اُمور ہیں جن سے مورخین نے اہل کوفہ کو اس بات پر متہم کیا ہے کہ یہ اہل کوفہ اپنے عقیدۂ شیعیت میں کمزور اور بلا وجہ فتنہ و فساد کی طرف مائل تھے۔ اگر یہ لوگ واقعی امام حسینؑ کی خلافت اور حکومت پر ہی یقین رکھتے ہوتے تو انکی حمایت و حفاظت میں تلوار لیکر مقابلہ کرتے اور دشمن کے مکر و فریب کو ختم کرکے

چھوڑتے اور امام حسینؓ کو اُمید دلاکر اور وعدہ کرکے ان کو بے مدد نہ چھوڑتے۔

موجودہ دور کا جو مورخ امام حسینؓ کے واقعہ کربلا پر بحث کرنا چاہے، وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ اہل کوفہ کے دلوں میں ابھی عقیدۂ شیعیت اچھی طرح سرایت نہیں ہوا تھا اہل بیت کی مددگار در حقیقت وہ جماعت تھی جو امام حسینؓ کی مدد کو ایک آسان کام سمجھ رہی تھی اور یہ سمجھتی تھی کہ اس میں زبردست قربانی کی ضرورت نہیں پڑیگی، مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ امام حسینؓ کی مدد میں سخت تکالیف کا سامنا ہے تو وہ اپنے وعدوں کو بدلکر صاف اپنی جان بچالے گئے۔

ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس دور کے اہل کوفہ اور اہل بصرہ سیاسی نزاع کے سلسلہ میں لاحاصل چیخ وپکار اور بحث ومباحثہ کی طرف زیادہ مائل تھے تو ہم ان اسباب کی تشریح کرسکتے ہیں جو ان دونوں شہروں میں امن قائم رکھنے کے ضامن ہوسکتے تھے وہاں صورت یہ تھی کہ اگر کسی حاکم میں کوئی کمزوری اور نرمی ظاہر ہوجاتی تھی، فساد بڑھ جاتا تھا اور اختلاف وتنقید وتبصرہ کا بازار گرم ہوجاتا تھا اور اگر کوئی حاکم طاقتور اور زبردست ہوتا تو حالات پرسکون رہتے، امن قائم ہوجاتا اور ہر شخص اپنے کام میں لگ جاتا۔ اور اگر زبردست حاکم کے ہوتے ہوئے ملکی سیاست میں کچھ ہوتا بھی تھا تو وہ سلطان وقت کی آنکھوں سے چھپ کر خفیہ طور پر بہت معمولی خلفشار ہوتا تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ در حقیقت صاحب عزم اور آمادۂ جہاد ہونے سے زیادہ باتونی اور لفاظ تھے لیکن جب امام حسینؓ کی شہادت نے اُن کے دلوں میں شیعیت کا عقیدہ زیادہ مضبوط کردیا تو ان میں ایک ایسی قوت پیدا ہوگئی جو ان میں کبھی نہیں پائی گئی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ آیندہ چل کر یزید وغیرہ کے برباد ہونے کے زمانہ میں اُنھوں نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں اور تمام اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے امام حسینؓ کے قاتلین سے برد آزما ہوکر ان کو ہر موقعہ پر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کے بعد وہ کیا اثر تھا جو اموی حکومت میں، عہد یزید میں اور اس کے بعد امام حسینؓ کی شہادت سے پیدا ہوا تھا؛ اس کا سب سے پہلا اور فوری نتیجہ یہ ہوا کہ یزید کی حکومت پاش پاش ہوکر رہ گئی، نہ اسکو

طویل عمر مل سکی اور نہ اسکی حکومت کا زمانہ طویل ہو سکا۔ چند مہینہ ہی یزید اپنے اغراض کو پورا کر سکا اور اس کے بعد بنی حرب کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ یزید کی موت اتنی جلد واقع ہونے کا باعث لوگوں کا وہ جذبۂ انتقام تھا جس کا احساس یزید نے خود کر لیا تھا۔ یزید کے اوپر ایک ایسی مایوس کن مصیبت نازل ہوئی جس سے اس کے روح وجسم اور قوتوں میں تہلکہ مچ گیا تھا۔

اموی حکومت میں اس حادثۂ کربلا کا عام طور پر ایک یہ بھی اثر ہوا کہ بنی ہاشم کے مددگاروں کے دلوں میں شیعیت کی آگ بھڑک اٹھی اور انکی جماعت جو اس سے پہلے بالکل منتشر اور مختلف الخیال رہتی تھی یکجہت ہو کر ایک ہی صف میں کھڑی ہو گئی۔

امام حسینؓ کے واقعۂ شہادت سے قبل شیعیت کا صرف اتنا ہی اثر تھا کہ وہ ایک ایسی سیاسی اور نظری رائے کی حیثیت رکھتی تھی جس نے امام حسینؓ کے مددگاروں اور ان کی جماعت کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا اور یہ ان کا عقیدہ اور ایمان نہیں بنا تھا مگر امام حسینؓ کے شہید ہوتے ہی شیعیت کا عقیدہ ان لوگوں کے خون میں سرایت کر گیا اور ان کے قلوب کی گہرائی میں پہونچکر ایمان راسخ بن گیا۔

شہادت حسینؓ سے ایک یہ بھی اثر ہوا کہ شیعیت ان اہل فارس میں بھی عام ہو کر پھیل گئی جن کا تعلق امام حسینؓ سے بطور دامادی کے قائم ہوا تھا اہل فارس امام حسینؓ اور ان کی اولاد کو اس لئے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے کہ امام حسینؓ کی اولاد میں خالص عربی خون اور خالص فارسی خون کی آمیزش ہو گئی تھی۔

ہندوستانی مورخ امیر علی واقعہ کربلا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"کربلا کی قربانی گاہ نے تمام اسلامی ممالک میں ایک زبردست خوف وہراس پیدا کر دیا تھا، مثال کے طور پر اس واقعہ سے اہل فارس کے بہادروں کے دلوں میں ایک زبردست آگ بھڑک اٹھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے پھر بنو عباس کی حمایت کر کے اموی حکومت کا تختہ الٹ کر اس کو ہمیشہ کے لئے نیست ونابود کر دیا۔"

پروفیسر براؤن (انگریز) نے واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ :۔

"جہاں تک میرا خیال ہے فرقہ شیعہ یا جماعت علیؑ میں ایثار و قربانی اور بہادری و دلیری کی بڑی کمی تھی لیکن واقعہ کربلا نے حالت ہی دگرگوں کر دی۔ زمین کربلا رسولؐ کے نواسے کے خون سے اس طرح رنگین ہوئی کہ اس کو شدید پیاس کی حالت میں چاروں طرف سے گھیر کر بہت سے آدمیوں کی کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے شہید کیا گیا۔ اس سے لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھے جو ان کے دل کی گہرائی میں پہونچے اور اس کا غم والم ان کے نفوس میں متمکن ہو گیا اور پھر ان میں ایک ایسی روح پیدا ہوئی کہ مصائب و شدائد تو درکنار مرنے اور مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔"

اس موضوع پر پروفیسر نیکلسون نے لکھا ہے کہ:۔

"باستثنائے چند تقریباً تمام مسلمان مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ امویین میں جذبہ بغض وعداوت کارفرما تھا۔ یہ مسلمان مورخ اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ امام حسینؑ کو حادثہ کربلا میں شہادت کا درجہ حاصل ہوا اور یزید ایک ظالم اور سفاک حکمراں تھا لیکن جمہور محدثین کی وہ رائے ہے جو سر ولیم میور کی رائے ہے۔ وہ یہ کہ امام حسینؑ نے تخت حکومت کے خلاف جو شورش پیدا کی تھی وہ دراصل ان کا ایک ایسے جرم کا ارتکاب تھا جس سے اجتماعی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور امویوں کے اولوالامر کو ختم کرنے میں انھوں نے بڑی عجلت سے کام لیا۔"

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے خیال کے مطابق میور کے الفاظ سے ان امویین کے نقطۂ نگاہ کی تفسیر ہوتی ہے جنھوں نے امام حسینؑ سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں مہیا کی تھیں۔ قارئین خود اس معاملہ میں اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ امویین نے اس موقع پر جس قساوت اور سنگدلی کا ثبوت دیا تھا وہ کس حد تک درست ہو سکتا ہے؟ لیکن مسلمان تمام معاملات میں حکم دین کو نافذ کرنے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور خصوصاً اس مسئلہ میں جو بجا طور پر تاریخ اسلامی کا مشکل ترین مسئلہ ہے حکم دین کو ہی ناطق سمجھتے ہیں اور امویین کا دین سے تعلق رکھنا یا اس سے منحرف ہو جانا وغیرہ اس سلسلہ کی کڑی ہیں۔ مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق امویین اسلام کے قوانین و احکام کو توڑنے اور اُن کو

اپنے قدموں میں روندنے انکی وقعت گرانے کے باعث اسلام کے باغی اور سرکش اور ظالم ہیں اس لئے امویین کے لئے یہ بات کسی طرح جائز نہ تھی کہ وہ ان مسلمانوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہوتے جنھوں نے تخت خلافت پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔

میں اپنی بحث و تحیص کے مطابق کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک اس موضوع کا تعلق ہے تاریخی اعتبار سے بھی اس بات کا ثبوت نہیں مل سکتا کہ احکام دین کو ملوکیت کی ضد یا دینی حکومت کو عربی سلطنت کا ضد قرار دیا گیا ہو۔ اس بنا پر تاریخ امویین کے خلاف فیصلہ دیتی ہے اور اس بنا پر ہمکو یہ کہنے کا حق ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں دین کو حکومت سے علٰحدہ کرنے کا کوئی وجود نہیں۔ واقعہ کربلا کا اثر یہ ہوا کہ امویین جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے بڑی زیادتیاں کی تھیں بعد میں سخت پشیمان ہوئے، اس لئے کہ واقعہ کربلا سے متاثر ہو کر شیعہ جماعت بالکل متحد ہو کر ایک صف میں کھڑی ہو گئی اور اس نے "خون حسین کا بدلہ" کا نعرہ ایک آواز ہو کر لگانا شروع کر دیا۔ انکی اس صدا کا اثر دور دور تک پہونچا، خصوصاً اہل فارس نے اس کا اثر بہت قبول کیا۔ جو عرب کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کے بیحد مشتاق تھے۔

ان حیثیات سے اس وقت کی قوم عرب کی حالت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ امام حسینؓ اور ان کے اعزا اقربا کی شہادت سے علویین اور امویین کی عداوت اور بھی زیادہ پرخطر ہو گئی تھی۔

علامہ خضری اپنی کتاب "تاریخ الامم الاسلامی" میں لکھتے ہیں، نتائج سے بےخبر اور عدم تحمل کی وجہ سے اس حادثہ کا اثر ایک نہایت اندوہناک صورت میں ظاہر ہوا امام حسینؓ نے اپنے تمام مشیروں کی بات کو ٹھکرا دیا اور یہ خیال کیا کہ اہل عراق بہتر لوگ ہیں اور ان کے والد بزرگوار کو ماننے والے ہیں اور ان کے والد بزرگوار ان سے بہتر تھے جو لوگوں میں سب سے زیادہ وجیہ تھے۔ ان کی بیعت کا پٹہ اہل عراق کی گردنوں میں پڑا ہوا تھا اور اس کے باوجود ان سے کوئی فائدہ نہ ہوا حتی کہ امام حسینؓ نے اپنی

آخری زندگی میں اہل عراق سے نجات حاصل کرنے کی تمنا کی تھی۔

جہاں تک امام حسینؓ کا تعلق ہے ان سے اہل عراق نے بیعت بھی نہیں کی تھی اور عراق میں بنو امیہ کے گورنر متعین تھے اور بنو امیہ کے اعوان و انصار بھی موجود تھے امام حسینؓ ان خطوط کی بنا پر دھوکہ میں آگئے جو عراق کے اہل فتن و شر نے ان کو لکھے تھے۔ امام حسینؓ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نکل پڑے اور ایسی قوم کی طرف رُخ کیا جن کے کسی پیمان کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس لئے امام حسینؓ نے خروج کرنے میں غلطی کی جس کے نتائج اسلامی تاریخ میں بہت دور رس ثابت ہوئے۔

علامہ خضری کے الفاظ کا یہ خلاصہ ہے۔ استاد مرحوم نے جن اسباب کی بنا پر ان الفاظ کو لکھا ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم کو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ امام حسینؓ نے اس وقت خروج کیا تھا جبکہ ان کے متعین کئے ہوئے مسلم بن عقیل نے ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی، اس لئے کہ ۱۸ ہزار اہل عراق نے مدد کا وعدہ کر کے اس کو توڑا تھا اور جب امام حسینؓ کو معلوم ہوا کہ قوم اُن کو چھوڑنا چاہتی ہے تو انھوں نے اپنے فریق سے درخواست کی کہ مجھے واپس جانے دو اور اگر اس کو وہ قبول نہ کریں تو مجھے یزید کے پاس لے چلو لیکن دشمنوں نے اس سے بھی انکار کر دیا اور اس بات پر مجبور کیا کہ عبیداللہ بن زیاد کے حکم کے ماتحت ہو جائیں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ امام حسینؓ کو اس قدر مجبور کرنے اور ان کی شان کو گھٹانے اور اہل کوفہ کے سامنے ایک جھک جانیوالے آدمی کی طرح جو موت سے خائف اور زندگی کا دلدادہ ہو ان کو پیش کرنے کا کیا سبب تھا، خصوصاً اگر امام حسینؓ ابن زیاد کے سامنے جھک جاتے تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا کہ امام حسینؓ کو یزید کے پاس بھیجا جاتا نہ یہ کہ ابن زیاد کے پاس رکھا جاتا، امام حسینؓ کا انکار اس بات کی صاف دلیل ہے کہ وہ ابن زیاد کی نیت میں کھوٹ اور ان کو بدنام کرنے کی طرف مائل دیکھ رہے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بلا وجہ اپنا جذبۂ انتقام پورا کرنا چاہتا ہے۔ جہاں تک یزید کی ذمہ داری کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ

ساری ذمہ داری اسی کی تھی جس نے ابن زیاد کو اس معمولی فتنہ کو دبانے کے لئے اس طرح بالکل مطلق العنان بنا دیا تھا جو کسی طرح حسن تدبیر اور دور اندیشی پر مبنی نہ تھا اور جب یزید نے دیکھا کہ لوگوں میں یزید سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ مطعون ہونے لگا ہے تو اس نے اپنی ذمہ داری سے انکار کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگا ابن زیاد نے بہت زیادتی اور غلو سے کام لیا اس کی اس سے خدا کے یہاں زبردست باز پرس ہو گی۔

اس کے بعد زمانہ گزرتا گیا اور یزید نے ابن زیاد سے کوئی باز پرس نہیں کی بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابن زیاد یزید کی لہو ولعب اور شراب نوشی کی مجلس میں برابر شریک ہوتا رہا اور یزید نے ابن زیاد کو اپنی جگہ پر متعین رکھا اور اس کو وہاں سے علٰحدہ کر کے معزول تک نہیں کیا۔ فطری طور پر اس سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ یزید نے اس واقعہ فاجعہ کو کچھ اہمیت دی تھی، بلکہ وہ یہی چاہتا تھا کہ لوگ اس قتل عام کی تلخی کو بھول جائیں اس سے بڑھکر یزید کا اور کیا جرم ہو سکتا ہے۔

مقام کربلا معرکہ جنگ نہ تھا بلکہ وہ ایک قربان گاہ تھا جہاں انتہائی بیدردی سے قتل عام کیا گیا جن میں بوڑھے، بچے اور عورتیں سب شامل ہیں۔

حجاز کے سیاسی گروہ

امام حسینؓ کے شہید ہونے سے مدینہ یک بیک غم والم میں مبتلا ہو گیا۔ مدینہ پر ایک گہرا سکوت اور خوف وہراس طاری ہو گیا۔ لوگوں کے دلوں میں بنی اُمیہ کی طرف سے غم وغصہ کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ بنی ہاشم کے گھروں میں چیخ وپکار بلند ہو گئی آل رسولؐ کی آنکھوں کے سامنے آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا اور پگھلنے والے آفتاب کا رنگ بدل گیا اور وہ اس دن سے ایک خون آمیز ماتم میں پڑ گئے جس کے نتائج تاریخ اسلامی میں بہت دور رس ثابت ہوئے۔

عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دوسری عورتوں کے

ساتھ بازار میں روتی اور ماتم کرتی ہوئی نکل پڑیں اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھیں:۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم آخر الامم

جب تم سے رسول اللہ یہ پوچھیں گے کہ تم نے خیر الامت ہوتے ہوئے یہ کیا کر ڈالا تو اُس وقت تم کیا جواب دوگے؟

بعترتی و باھلی بعد مفتقدی منھم اساری وقتلی ضرجوا بدم

میں آنکھ اُٹھا کر دیکھتی ہوں تو میرے اہل وعیال میں کچھ قیدی ہیں اور کچھ ایسے مقتول ہیں جو خون میں رنگین ہیں۔

ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

جب میں نے تمہارے لئے خیر خواہی کا کام کیا تو ہمارا بدلہ یہ نہ تھا کہ تم میرے اقرباء کے ساتھ عہد شکنی کرتے۔

یہ چیخ وپکار یزید کے گورنر عمر بن سعد نے سُنی تو ہنسا اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو امام حسینؓ کے قتل کی خبر سنائی۔ جب عبداللہ بن جعفر کو یہ معلوم ہوا کہ انکے دونوں بیٹے بھی شہید ہوگئے تو انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ عبداللہ بن جعفر کے کچھ دوست ان کے پاس آئے اور تعزیت کرنے لگے، ان میں سے ایک شخص نے کہا ھذا مالقینا من الحسینؓ یہ وہ چیز ہے جو امام حسینؓ کی وجہ سے پیش آئی، اس شخص کو ابن جعفر نے اپنے جوتے کی ٹھوکر دی اور کہا:۔

اے کمینے کیا تو یہ بات امام حسینؓ کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں خود وہاں ہوتا تو میں امام حسینؓ کا ساتھ جنگ میں اس وقت تک نہ چھوڑتا جب تک میں ان کے ساتھ شہید نہ ہو جاتا جیسا کہ میرا بھائی اور چچا زاد بھائیوں نے کیا تھا۔

اہل مدینہ کو دمشق اور بنی اُمیہ سے سخت تنفر ہو گیا۔ میرے خیال میں اس تنفر کے دو سبب تھے۔ ایک سبب یہ تھا کہ ملک شام کی حکومت ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ اہل مدینہ مجموعی طور پر بنی ہاشم کی خلافت پر زیادہ ایمان رکھتے تھے۔ اہل مدینہ میں جذبۂ انتقام اس لئے اور بھی بھڑک اُٹھا تھا کہ یزید نے مدینہ میں کوئی

ایسا عامل نہ بھیجا جو اہل مدینہ کو ایک صف میں کھڑا کر سکتا اُن کے مقاصد میں یک جہتی پیدا کر سکتا اور ان کے ساتھ نرمی اور احسان کا برتاؤ کرتا تاکہ اس قسم کی عداوت نہ پیدا ہوتی اور وہ تنفر نہ پیدا ہوتا جو اہل مدینہ کے ہر بوڑھے اور جوان کے دل میں سرایت کر گیا تھا، سب سے بڑی غلطی جس کا حجاز کی سیاست کے سلسلہ میں ارتکاب کیا گیا وہ یہ بھی کہ عمال کو حجاز میں جلد جلد تبدیل کیا جاتا تھا۔ ۶۰ھ میں خلافت پر متمکن ہوتے ہی یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کیا اور اسکی جگہ پر عمرو بن سعید ملقب باشدق کو گورنر مقرر کیا۔ عمرو بن سعید بہت بہادر اور شجاع گورنر تھا، لیکن جب عمرو بن سعید امام حسینؓ کو مکہ سے عراق کی طرف خروج کرنے سے نہ روک سکا تو یزید کا اس پر عتاب نازل ہوا، اور اس کو بھی معزول کر دیا اور پھر اس کی جگہ پر ولید کو والی بنا کر بھیجا اور ان پر یہ الزام لگایا کہ ابن زبیر سے تمہاری سازباز ہے کیونکہ ابن زبیر ان دنوں مکہ میں موجود تھے اور یزید کے خلاف پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ جب عمرو بن سعید پر یزید کا عتاب نازل ہوا تو وہ ملک شام کو روانہ ہو گیا اور جب مع لواحقین کے وہ یزید کی خدمت میں حاضر ہوا تو یزید نے کہا، عمرو بن سعید! تم نے اپنا فرض ادا نہیں کیا۔

ان کے جواب میں عمرو بن سعید نے کہا اے امیرالمومنین! حاضر جو دیکھتا ہے، وہ غائب نہیں دیکھ سکتا۔ امام حسینؓ کے شہید ہونے کے بعد بڑے بڑے اہل مکہ و مدینہ امام حسینؓ کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنی خواہشات و مرضیات امام حسینؓ کے لئے وقف کر دی ہیں ایک دوسرے کو چھپ کر اور علی الاعلان اسکی طرف دعوت دینے لگے اور میرے پاس کوئی ایسی فوج نہ تھی جو ان سے زیادہ طاقتور ہوتی۔ ادھر امام حسینؓ بھی میری طرف سے محتاط ہو گئے، میں نے یہ کیا کہ فریب میں ڈالکر امام حسینؓ پر حملہ کرنے کے لئے ظاہری نرمی کا برتاؤ شروع کیا ادھر مکہ اور اس کے راستوں اور گھاٹیوں پر چند آدمی بھی متعین کر دئے تاکہ امام حسینؓ کے کسی بھی آدمی کو مکہ میں داخل ہونیکا موقع نہ مل سکے اور ولید کو بھی متعین کیا۔ اس عمل سے آپ کو یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ آپ کا حکم بجالانے اور آپ کی خیر خواہی کرنے میں میں نے کس قدر غلو سے کام لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ یزید کو ولید پر زیادہ اطمینان نہ تھا اس لئے عمرو بن سعید کی گفتگو کا اس پر اچھا اثر پڑا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن زبیر نے یزید کو ایک خط بھیجا تھا جس میں ابن زبیر نے ولید کی کمزوری ظاہر کی تھی اور لکھا تھا کہ ولید کسی ہدایت کی طرف توجہ نہیں دیتا اور نہ کسی دانا آدمی کی نصیحت کا خیال کرتا ہے۔ اس بنا پر یزید نے ولید کو معزول کر کے انکی جگہ پر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مقرر کر کے بھیجا۔ عثمان بن محمد ایک ناتجربہ کار نوجوان تھا جس کی عمر زیادہ نہ تھی اور نہ تجربات کی دنیا سے گزرا تھا۔ امویین کی صفوں میں اختلاف کا رونما ہونا اور ایک دوسرے کو فریب دینے کی طرف مائل ہونا ایک ایسا سبب تھا جس کے باعث امویین کی سلطنت ملیامیٹ ہو گئی اور وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ ہر طبقہ اپنی ذات کے لئے جد و جہد کرتا اور یہ خیال کرتا کہ خلافت اس کو ہی ملنا چاہئے۔ اس پُر آشوب زمانہ میں امویین کا باہمی اختلاف امور سلطنت اور اُمورِ سیاست کے لئے سخت مضر ثابت ہوا۔ مثال کے طور پر مروان بن حکم جو بنی اُمیہ میں سے ایک بڑا شخص تھا۔ حجاز اور غیر حجاز میں۔ یزید کی سیاست کے تزلزل کو نگاہِ غضب سے نہیں دیکھتا تھا بلکہ وہ عمال کی بار بار کی تبدیلی کو اور ہر عامل کے اپنے پیش رو عامل کی کارروائیوں کے بر خلاف کرنے کو خوشی کے ساتھ دیکھتا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ یزید کی خلافت کی مخالف تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ خود خلافت کا زیادہ مستحق اور سیاسی معاملات کا نظم و ضبط رکھنے پر یزید سے زیادہ لائق ہے۔

اس میں بھی شک نہیں ہے کہ حجاز میں بنی امیہ کی سیاست کے تزلزل سے ابن زبیرؓ کو بڑی مدد مل رہی تھی۔ خصوصاً جب امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو اہل مکہ اور مدینہ ابن زبیرؓ کو (جو اہل مکہ ہی میں سے تھے)، خلافت کا زیادہ مستحق اور اسلام کیلئے زیادہ مناسب تصور کرنے لگے۔ ابن زبیرؓ بہت ذکی اور سیاسی آدمی تھے جو اپنے حصول مقصد کے لئے موقع و محل کو پرکھ کر اطمینان و سکون اور تدبر و حکمت عملی کے ساتھ جد و جہد میں مصروف رہتے۔

یہی وجہ ہے کہ یزید جتنا ہی لہو و لعب میں مبتلا ہوتا خلافت کے حصول کے امکانات

کے سلسلہ میں ان کی اُمید زیادہ قوی ہوتی جاتی۔ عثمان بن محمد بن ابی سفیان جب حجاز کا والی ہو کر آیا تو اُس نے حجاز کے شرفاء کا ایک وفد جو عبداللہ بن حنظلہ الانصاری عبداللہ بن ابی عمر المخزومی اور منذر بن زبیر وغیرہ پر مشتمل تھا، یزید کے پاس بھیجا۔ جب یہ لوگ یزید کے پاس پہونچے تو یزید نے ان لوگوں کا بڑا احترام کیا اور ان کو بڑے بڑے عطیے دیئے۔ یہ لوگ جب مدینہ واپس آئے تو اُنھوں نے یزید کے عیوب کو ظاہر کیا اور اعلان کر دیا کہ چونکہ یزید اب بھی لہو ولعب اور شراب نوشی میں مبتلا رہتا ہے اس لئے ہم لوگ اس کی اطاعت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ لوگ ان کے پیچھے چل پڑے اور اپنے معاملات کا عبداللہ بن حنظلہ کو ہی والی مقرر کر لیا۔

یزید کے جو جاسوس مدینہ میں تھے اُنھوں نے لوگوں کی اس حالت کی اطلاع یزید کو بھیجی، یزید کو یہ معاملہ بہت شاق گزرا اور نعمان بن بشیر الضاری کو مدینہ بھیجا کہ وہ جا کر ان لوگوں کو سمجھائے۔ نعمان مدینہ پہونچا اور لوگوں کو یزید کی اطاعت کا حکم دیا اور ان لوگوں کو سزا کا خوف دلایا اور ان سے کہا کہ :- تم لوگوں میں اہل شام کا مقابلہ کرنیکی طاقت نہیں ہے مگر نعمان کے نصائح کا کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ غصہ ہو کر واپس چلا گیا۔

۶۳ھ میں جب مدینہ میں فتنہ وفساد انتہا کو پہونچ گیا تو اہل مدینہ نے مدینہ کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان پر اور ان بنی امیہ پر جو مدینہ میں رہتے تھے اور ان کے موالی پر اور ان اہل قریش پر جو بنوامیہ کی جماعت میں تھے حملہ کر دیا۔ ان حملہ آور لوگوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ ان لوگوں نے مروان بن حکم کے مکان میں عثمان بن محمد وغیرہ کو مقید کر کے محاصرہ کر لیا۔ عثمان بن محمد کے محصور ہو جانے کے بعد مروان نے ایک خط کے ذریعہ یزید کو اس واقعہ کی اطلاع کی، مروان نے خط میں لکھا تھا کہ اس محاصرہ کے توڑنے سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری مدد کے لئے فوراً کچھ کمک بھیجی جائے ادھر اہل مدینہ نے اس معاملہ کو زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوئے یزید کی مزید کمک وغیرہ کی پرواہ بھی نہیں کی، کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جب اہل مدینہ کو معلوم ہوا کہ یزید نے اپنی فوجیں ان کے خلاف بھیجی ہیں تو اُنھوں نے اس کے باوجود کہ یزید کی فوج اتنی تعداد

میں نہ تھی کہ وہ مقابلہ کر سکتی۔ اپنا محاصرہ بڑی سہولیت سے ختم کر دیا۔ اور اگر اہل مدینہ قتل و غارت ہی کو حق سمجھتے تو وہ بنی اُمیہ کو مدینہ سے نکل جانے کا موقعہ نہ دیتے اور انکی زمین تنگ کر دیتے۔ انصار مدینہ کے دلوں میں اس وقت سے بنی اُمیہ سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا جبکہ بنی اُمیہ نے خلیفۂ ثالث کے محاصرہ کے موقع پر لوگوں کی معاونت کی یا بالفاظ دیگر جب بنو اُمیہ نے اس محاصرہ کے وقت چشم پوشی سے کام لیا۔ ادھر جب خلافت، مدینہ سے شام کو منتقل ہوئی تو ان کا جذبۂ انتقام اور بھی بھڑک اٹھا اور جب یزید نے یکے بعد دیگرے عامل بھیجنا شروع کئے اور یہ عمال ایک دوسرے کے خلاف فیصلے کرنے لگے اور اپنے پیش رو عاملوں کی کارگزاریوں کو بگاڑنے لگے اس وقت اور بھی زیادہ انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور انصار مدینہ عمال سے بالکل مایوس ہو گئے اور جب انہوں نے یہ سنا کہ یزید لہو و لعب میں مبتلا رہتا ہے اور مسلمانوں کا مال شعراء اور مغنیوں پر خرچ کرتا رہتا ہے تو ان کا غیظ و غضب اور بھی بڑھ گیا، کیونکہ اہل مدینہ جو مسجد نبوی سے قریب رہنے کے باعث نماز کے سخت پابند تھے۔ یزید کے اس لہو و لعب اور اسراف کو ایک ایسا گناہ سمجھتے تھے جو اس سے پہلے مسلمانوں کے کسی عہد میں نہیں ہوا تھا اور بالکل پہلی مرتبہ ان کے سامنے ظہور پذیر ہوا تھا۔

خلیفۃ المسلمین کے اس لہو و لعب اور اسراف کو برداشت کرنا انصار مدینہ کی فطرت کے خلاف تھا وہ اس پر خاموشی اختیار نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن اہل مدینہ کے پاس کوئی ایسی جنگی طاقت نہ تھی کہ جس سے وہ ان فوجوں کا مقابلہ کر سکتے جو یزید کی طرف سے بھیجی جا سکتی تھیں۔ جب یہ صورت حال تھی تو ایک مورخ پوچھ سکتا ہے کہ اہل مدینہ جب اس شورش میں پڑ رہے تھے تو کیا وہ اس بات کو نہیں سوچ سکتے تھے کہ ایسے موقع پر یزید کی طرف سے فوجیں تیار ہو کر مقابلہ پر آئینگی، لیکن بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کا خیال یہ تھا کہ اس معاملہ میں ان کو جنگ سے دو چار نہیں ہونا پڑیگا۔ ان کا زیادہ تر یہ خیال تھا کہ یزید نے جس طرح ابن زبیر کو مکہ میں چھوڑ دیا ہے اور ان سے جنگ کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا، اسی طرح اہل مدینہ

کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مبارک کے احترام میں اپنی حالت پر چھوڑ دیگا یہاں تک کہ اہل مدینہ اپنی حکومت خود قائم کر کے شام سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اس طرح حجاز گزشتہ عہد کی طرح اپنی مستقل حکومت کی نعمت سے سرفراز ہو جائے گا جس سے وہ سالہا سال سے بہرہ اندوز ہو رہا تھا۔ یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کی حکومت اور بیعت کی مخالفت کی تحریک کے سلسلہ میں مروان بن حکم کے مکان میں جو بنی اُمیہ کا محاصرہ کیا تھا وہ کوئی سخت محاصرہ نہ تھا۔ اہل مدینہ کی طاقت اور تعداد زیادہ ہونے اور دشمن کی طاقت اور تعداد کم ہونے کے باوجود محاصرہ نہ کرنے اور بنی اُمیہ کو زیادہ پریشان نہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل اہل مدینہ کا یہ مقصد ہی نہ تھا کہ وہ کوئی زبردست جنگ لڑنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک مدینہ کے ہنگامہ کے سلسلہ میں ابن زبیر کی پوزیشن کا تعلق ہے ہمارے خیال میں وہ مناسب حالات اور سازگار فضا کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بیت اللہ کے محاصرہ کے لئے جس میں قتال وجدال قطعی ممنوع ہے اور کوئی مسلمان دین میں رہتے ہوئے اسکی جرأت نہیں کر سکتا ہے، یزید اپنی فوجیں ہرگز نہ بھیجے گا۔ اس صورتِ حالات کے ہوتے ہوئے وہ اپنے مستقر پر مطمئن ہو کر مسجد میں آنے جانے اور روزہ نماز میں مشغول رہنے پر قانع رہے اگر ابن زبیر اہل مدینہ کی مدد کرنے کا خیال کرتے اور دشمن کی مقاومت کے لئے لشکر کشی کرتے تو تاریخ اسلامی کا رُخ ہی دوسرا ہوتا ہے، مگر ابن زبیر نے تدبر اور دوراندیشی سے کام نہیں لیا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ امام حسینؓ شہید ہو گئے ہیں اور تمام اہل بیت کا خاتمہ ہو گیا ہے اور جو باقی بھی رہ گئے ہیں وہ سب چھوٹے چھوٹے ہیں جن کی خلافت کے متعلق اس موجودہ وقت میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اس حالت میں خود انکی خلافت کے بارے میں کوئی مزاحمت نہیں کریگا اس لئے اُنھوں نے اس کو مناسب سمجھا کہ وہ اپنے آپ کو کسی فوری خطرہ اور مصیبت میں نہ ڈالیں اور قبل اس کے کہ خود انھیں کو ان کے مکان اور وطن ہی میں کوئی زبردست دشواری پیش نہ آئے دشمن کا مقابلہ نہ کریں۔

مدینہ کا ہنگامہ

مروان بن الحکم کے مکان میں جو بنی اُمیہ محصور تھے اُن کا ایک خط یزید بن معاویہ کے پاس پہونچا، یزید کی طبیعت اس وقت ناساز تھی۔ جب یزید نے اس خط کو پڑھا تو وہ اس قدر برافروختہ ہوا کہ اس کا غصّہ اس کے چہرہ پر نمودار ہو گیا، اس نے اپنے حامیوں کو بُلا کر یہ خط پڑھکر سُنایا اور اس سلسلہ میں ان کی رائے معلوم کرنا چاہی۔ اس سلسلہ میں یزید نے جب فوج کشی کے لئے عمرو بن سعید اشدق سے کہا تو عمرو بن سعید اشدق نے مدینہ پر فوج لے جاکر لشکر کشی کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس میں اہل قریش کا خون ہوگا، میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے ہاتھ سے بہایا جائے۔ پھر یزید نے مسلم بن عقبہ کو یاد کیا۔ مسلم بن عقبہ ایک ضعیف بڈھا تھا جو اس زمانہ میں بیمار بھی تھا اور معاویہ رضؓ نے اس کے بارے میں وصیت بھی کی تھی کہ ایسے موقعوں پر اس سے کام لیا جائے۔ یزید نے اس کو بلوا کر حجاز فوجیں لیجانے کا حکم دیا، اس کے بعد دمشق کے بازاروں میں یزید کا منادی لوگوں سے یہ کہتا ہوا نکلا "لوگو! پورے پورے عطایا لیتا ہوں تو جنگ کیلئے حجاز کا رُخ کرو، ہر ہر شخص کو سَو سَو دینار تو اسی وقت دیئے جائیں گے۔

اہل شام میں سے بارہ ہزار آدمی اس کے لئے تیار ہو گئے۔ ان پر مسلم بن عقبہ المری کو امیر مقرر کیا گیا اور قبل اس کے کہ یہ فوج روانہ ہو یزید نے خود آکر فوج کا معائنہ کیا۔ تیاری مکمل ہونے کے بعد یزید نے مسلم بن عقبہ کو رُخصت کرتے ہوئے کہا۔

کہ مدینہ پہونچکر لوگوں کو تین مرتبہ دعوت دینا۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو فبہا ورنہ ان کا قتل عام شروع کر دینا۔ ان کا تمام مال و متاع تمہارے لئے حلال ہوگا۔

یہ سنکر مسلم بن عقبہ اپنی فوج کو لیکر روانہ ہو گیا۔ اہل مدینہ نے اسکی اطلاع پاتے ہی بنی امیہ کے محاصرہ کو سخت کر دیا اور ان کا محاصرہ اس وقت تک نہیں چھوڑا، جب تک محصورین نے بغاوت اور عداوت کو چھوڑنے اور ان کا راز فاش نہ کرنیکا عہد نہیں کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان سے یہ عہد بھی لے لیا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں گے، اس کے

بعد محصورین مدینہ سے قتل کروادی المزنی مین سلم بن عقبہ سے جا ملے۔ مسلم نے عمرو بن عثمان[1] کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا خبر لائے ہو؟"

اس نے جواب دیا" میں کسی خبر کے بتانے کا مجاز نہیں ہوں کیونکہ اہل مدینہ سے ہمارا پیمان ہوچکا ہے کہ ہم نہ اہل مدینہ کا کوئی راز فاش کریں گے نہ تمہاری مدد کریں گے، اس پر مسلم بن عقبہ نے اُس کو ڈانٹ کر کہا" کہ خدا کی قسم اگر تو عثمان کا بیٹا نہ ہوتا تو تیری گردن مار دیتا۔"

اس کے بعد مسلم کے پاس عبدالملک بن مروان آیا اس سے پوچھا گیا، بتاؤ تم کیا خبر لائے ہو، اس نے کہا" میری رائے یہ ہے کہ اپنے آدمیوں کو لیکر ذُفری درخت کے سایہ میں آرام کیا جائے اور اس کے کھجور بھی کھائے جائیں۔ اس کے بعد دوسرے دن صبح کے وقت یہاں سے روانہ ہو کر مدینہ کی بائیں سمت کو چھوڑتے ہوئے روشنی ہوتے ہوتے صحرا کے سمت سے ہو کر اہل مدینہ کے مقابلہ میں اپنی فوج کھڑی کردی جائے۔ اس وقت تک دن کی کافی روشنی ہوجائے گی۔ بعد ازاں اپنے تیر و کمان اور تلواروں سے لیس ہو کر خدا کا نام لیکر حملہ کردیا جائے۔

اس اثناء میں اس کے پاس مروان آگیا۔ اس نے بھی اس بات کی تائید کی، پھر مروان نے پوچھا کیا تمہارے پاس عبدالملک نہیں پہونچا، جواب ملا کیوں نہیں، عبدالملک وہ آدمی ہے کہ اس سے زیادہ اہل قریش سے مشابہت رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا گیا۔ مروان نے کہا، عبدالملک کو دیکھا گویا مجھے دیکھ لیا اس کے بعد عبدالملک کی وصیت کے مطابق مسلم چل پڑا اور مدینہ پہونچکر اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"امیرالمومنین کا خیال ہے کہ تم لوگ اصل ہو میں تمہارا خون بہانا بہت برا سمجھتا ہوں، میں تمھیں تین روز کی مہلت دیتا ہوں، اگر تین روز کے اندر تم اطاعت قبول کرلوگے تو میں تم کو چھوڑ کر مکہ چلا جاؤں گا۔ اور اگر تم لوگوں نے انکار کیا تو بعد میں جو کچھ ہوگا ہمارا قصور نہ ہوگا، خوب سوچ سمجھ کر جواب دو۔

---

[1] عمرو بن عثمان خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے بیٹے تھے ۱۲

اہل مدینہ کو باہم مشورہ کرنے اور اپنی پوزیشن پر بحث کرنے میں تین روز ہو گئے بالآخر انھوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ مسلم اور اسکی فوج کا مقابلہ کریں گے، تیسرے روز مسلم نے ان اہل مدینہ سے پوچھا "بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو، مصالحت کرنا چاہتے ہو یا جنگ؟ اہل مدینہ نے جواب دیا "ہم سب جنگ کے لئے تیار ہیں۔ مسلم بن عقبہ نے کہا ایسا مت کرو بلکہ اطاعت قبول کر لو اور ہم کو چھوڑ دو۔ ہم ملحد ابن زبیر کیطرف چلے جائیں گے، اہل مدینہ نے کہا اے اللہ کے دشمن! خدا کی قسم اگر تم نے اس بات کا ارادہ کیا کہ تم ہم پر حملہ کرو تو ہم تم کو اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک ہم تم کو قتل نہ کر دیں گے۔ کیا ہم تم کو اس طرح چھوڑ سکتے ہیں کہ تم بیت اللہ پہونچکر وہاں فساد پھیلاؤ، اور وہاں کے باشندوں کو ڈرا کر وہاں الحاد پھیلاؤ اور اسکی حرمت کو حلال کر لو۔ خدا کی قسم ہم ایسا نہیں کرنے دیں گے۔" معرکہ جنگ شروع ہو گیا اور مسلم مع اپنے تمام آدمیوں کے سامنے آیا۔ اہل مدینہ اس کے مقابلہ میں بڑی قوت سے ثابت قدم رہے، لیکن مسلم کی فوج ان پر غالب آگئی اور اس کے بعد کہ ان کے سادات قتل ہو گئے، اور انکے اکابر ہلاک ہو گئے، مسلم نے اپنی فوج کو تین روز تک مطلق العنان چھوڑ دیا اور تین روز تک لوگوں کا برابر قتل عام کیا اور لوگوں کا خوب مال و متاع لوٹا اور عدوان اور سرکشی میں انتہا کر دی۔

جب مسلم کی پیاس اہل مدینہ کے خون سے بجھ گئی تو اس نے لوگوں کو بلا کر یزید کی بعیت پر مجبور کیا کہ وہ یزید کے غلام و محکوم ہیں اور ان کے جان و مال سب یزید کے ہاتھ میں ہیں۔ اس سے جو شخص باز آیا اور نہ مانا اُس کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ ۶۳ھ میں ذی الحجہ کی ۲۸ تاریخ کو پیش آیا۔

مدینہ میں خون کی ندیاں

یزید کی فوج مدینہ پر کس طرح غالب آئی ہے اس کا نقشہ مورخین نے یہ پیش کیا ہے: "معرکہ جنگ قائم ہونے کے بعد جب اہل مدینہ کو مقام حرہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

تو پھر ان کی ایک جماعت نے باب المدینہ پر جم کر یزید کی فوج کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ اہل مدینہ کی یہ جماعت لوگوں سے لڑتے وقت یہ کہتی جاتی تھی "ایْنَ الفِرار" بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔ خدا کی قسم سینہ سپر ہو کر لڑنے کی حالت میں مارا جانا پیٹھ پھیر کر مارے جانے سے بہت بہتر ہے۔

عورتیں اور بچے اپنے اپنے مرنیوالوں پر رو رہے تھے۔ اس حالت میں اہل مدینہ تھوڑی دیر تک اور لڑے لیکن کہ اب ان میں تاب مقابلہ باقی نہ رہی مسلم بن عقبہ کہہ رہا تھا، جو شخص ایک آدمی کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو یہ عوض ملے گا وہ ایک ایسی جماعت کو بھڑکا رہا تھا جس کا کوئی مذہب نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے خوب قتل کرنا شروع کیا اور اسی طرح اہل مدینہ کی اکثریت پر یہ غالب آ گئے۔

اس وقت بشر بن حنظلہ کے جسم پر دو زرہیں تھیں، جب ان کی جماعت شکست کھا گئی تو انھوں نے اپنی دونوں زرہیں اُتار کر پھینک دیں اور ننگے ہو کر لڑنا شروع کیا اور قتل ہو گئے۔

ابن حنظلہ کے مرنے کے بعد اہل مدینہ ایک ایسا بغیر راعی کا گلہ بن کر رہ گئے جن کو یزید کی فوج نے چاروں طرف آسانی سے منتشر کر دیا۔ اب محمد بن عمر بن حزم انصاری بڑھ کر سامنے آئے اس حالت میں کہ ان کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ مقابلہ کرتے ہوئے دشمن کے نیزوں کو بچاتے بچاتے اس پر حملہ کر رہے تھے اور انکی جماعت کو چیر پھاڑ کر نکل جاتے تھے، یہ بہت اچھے شہوار تھے پھر ان پر تمام اہل شام نے مل کر حملہ کیا یہاں تک کہ نیزوں سے ان کے جسم کو چھلنی کر دیا اور قتل ہو کر گر گئے، ان کے قتل ہونے کے بعد باقی اہل مدینہ بھی چاروں طرف سے شکست خوردہ ہو گئے۔ دشمن اب مدینہ میں داخل ہو گئے اور ان کے سوار مدینہ میں گھوم گھوم کر ایک ایک شخص کو قتل اور غارت کرنے لگے۔

اس درمیان میں عبداللہ بن زید بن عاصم (صحابی رسولؐ) نکل کر آئے اور سوار ہر طرف قتل و غارت کر رہے تھے، ان سے کہا گیا کہ تم اپنے نام کا اعلان کر دو تاکہ لوگ

تھیں کسی قسم کی اذیت نہ پہنچا سکیں۔

عبداللہ بن زید نے جواب دیا "خدا کی قسم میں ان سے امان نہ چاہوں گا اور اس وقت تک اس جگہ سے نہ ہٹوں گا جب تک قتل نہ ہو جاؤں یہ کہہ کر مقابلہ کیا اور قتل ہو گئے۔

اس کے بعد جب مسلم اپنے گھوڑے پر مروان بن حکم کے ساتھ مقتولین کا طواف کرنے لگا تو وہ عبداللہ بن حنظلہ کے پاس گذرا تو دیکھا کہ وہ اپنی شہادت کی انگلی اُٹھائے ہوئے تھے تو مروان نے کہا "خدا کی قسم اگر ان کو اس مردہ ہونے کی حالت میں کھڑا کر دو تو یہ معلوم ہو گا کہ وہ زندہ ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مسلم کا گذر محمد بن عمرو بن حزم کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے چہرہ کے بل پڑے ہوئے زمین پر اپنی پیشانی رکھے ہوئے ہیں تو مسلم نے مروان سے کہا۔ "خدا کی قسم اگر تم مرنے کی حالت میں اپنے چہرہ کے بل پڑے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، بسا اوقات تم نے زندگی کی حالت میں بھی اسی طرح اللہ کیلئے سجدہ کیا ہے۔

اس پر مسلم نے کہا "خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو جنتی سمجھتا ہوں" اس کے بعد مسلم عبداللہ بن زید کے پاس سے گذرا تو ان کی آنکھوں کے درمیان سجدہ کا نشان تھا مروان نے جب دیکھا تو وہ پہچان گیا اور اس کو پسند نہیں کیا کہ وہ مسلم کو بتلائے اور مسلم ان کے سر کو چلے۔ مسلم نے پوچھا "یہ کون ہے؟" مروان نے جواب دیا "کوئی غلام ہے" اس کے بعد مسلم نے کہا خدا اور خدا کے گھر کی قسم تم نے ہم سے چھپالیا۔

مروان نے کہا "یہ صحابی رسول عبداللہ بن زید ہیں" مسلم نے کہا "یہ تو زیادہ رسوا شخص ہے، جس نے بیعت کو توڑا تھا، اس کا سر کاٹ لو" دورانِ جنگ میں جن مکانوں کو سب سے پہلے لوٹا گیا تھا وہ بنو عبد اور شہل کے مکانات تھے، ان مکانوں کا تمام اثاثہ تمام زیورات حتی کہ فرش تک لوٹ لیا گیا تھا یہاں تک کہ کبوتر اور مرغیاں تک ذبح کر ڈالی تھیں۔ ابو سعید خدریؓ اپنے مکان سے باہر نہیں نکلے تھے، ان کے مکان میں اہل شام کے کچھ لوگ داخل ہوئے اور انھوں نے پوچھا بڈھے! تو کون ہے؟

اُنھوں نے جواب دیا "میں ابو سعید خدری ہوں، صحابی رسولؐ" اہل شام نے ان سے کہا، ہم تیرا ذکر سنتے رہے ہیں تو نے ہمارے ساتھ مقاتلہ تو نہیں کیا مگر مکان میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ رہنے سے تو نے ہمارے خلاف کام کیا ہے، جو کچھ تمھارے پاس ہو نکال کر رکھدو؛

ابو سعید خدریؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم میرے پاس کوئی مال نہیں ہے" اسپر اہل شام نے ان کی داڑھی کو نوچا اور ان کو زدوکوب کیا اور ان کے گھر میں جو پایا وہ لوٹ لیا یہاں تک کہ ان کے یہاں ایک جوڑا کبوتر تھا اس کو بھی لے لیا۔ جابر بن عبد اللہؓ کی آنکھیں اس زمانے میں جاتی رہی تھیں، وہ مدینہ کی کسی گلی میں یہ کہتے ہوئے چلے جارہے تھے کہ "اس شخص کا برا ہو جس نے خدا اور رسول کو خوف دلایا" اہل شام میں سے ایک آدمی نے یہ سنکر کہا "کس نے خدا اور رسول کو خوف دلایا؟" جابر بن عبد اللہؓ نے اس کا جواب دیا۔

"میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ جس شخص نے مدینہ کو خوف و ہراس میں ڈالا اس نے اس ذات کو ہراس میں ڈالا جو میرے پہلوؤں میں ہے" یہ سنکر ان کو قتل کرنے کے لئے ایک شخص نے ان پر تلوار سے وار کیا مگر مروان نے ان کو بچا لیا، اور ان کو پناہ دیدی اور ان کو اپنے مکان میں واپس جانے کا موقعہ دیدیا۔

اس ہنگامہ کے دوران میں سعید بن مسیبؒ ہمیشہ مسجد ہی میں رہتے تھے اور صرف رات ہی رات میں نکلتے تھے۔ جب اذان کا وقت ہوتا تھا تو وہ ایک ایسی اذان سنتے تھے جو روضۂ مبارک کی طرف سے سنائی دیتی تھی، رات میں نکلنے کا معمول ان کا اس وقت تک رہا جب تک وہ مطمئن نہیں ہوگئے، اس کے بعد مسلم نے حکم دیا کہ قیدیوں کو پابزنجیر کردیا جائے اس کے بعد لوگوں سے یزید کی بیعت کے لئے کہا گیا، مروان بن حکم نے سب سے پہلے بیعت کی، اس کے بعد دوسرے اکابر بنی امیہ نے بیعت کی، اس کے بعد بنی اسد کو بلاکر غصہ سے کہا۔

"کیا تم لوگ اللہ کے بندے امیر المومنین یزید کی اور یزید کے بعد اس کے جانشینوں

کی بیعت کرنے سے انکار کرتے ہو جو تمہاری جان و مال کا مختار ہے جو چاہے وہ کرے، یزید بن عبداللہ بن زمعہ نے جواب دیا" ہم تو مسلمانوں ہی کی ایک جماعت ہیں جو ان کے نفع کی چیز ہے وہ ہمارے نفع کی چیز ہے اور جو ان کے نقصان کی چیز ہے وہ ہمارے نقصان کی چیز ہے" مسلم نے کہا" خدا کی قسم میں تجھے معاف نہیں کروں گا، اور اب تو کبھی ٹھنڈا پانی نہ پی سکیگا اور اس کے بعد اس کے حکم سے انکی گردن اڑا دی گئی۔

اس کے بعد معقل بن سنان کے پاس مسلم آیا۔ معقل رسول اللہ کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر اپنی قوم کے علمبردار تھے، مسلم نے ان سے کہا۔ اے معقل! کیا تم پیاسے ہو؟" جواب دیا" ہاں اللہ امیر کی اصلاح کرے" مسلم نے کہا بادام کے ستو جو امیر المومنین نے میرے ساتھ زادِ راہ کے طور پر کر دیے تھے ان میں سے ایک گھونٹ اس کو دیدو۔

جب معقل نے ستو پی لئے تو مسلم نے ان سے کہا" کیا تم سیراب ہو گئے؟ جواب دیا، "ہاں" مسلم نے کہا دیکھو تم اس ستو کو اپنے مثانہ سے پیشاب بنا کر کبھی نہیں نکال سکتے یعنی تم ان ستوؤں کے کھانے کے بعد زندہ نہیں رہ سکتے اور آگے بڑھ کر انکی گردن ماردی۔

اس کے بعد عبداللہ بن حارث (جو پابزنجیر تھے) کے پاس آیا، مسلم نے کہا" یہ بات تم نے کہی تھی کہ بنی اُمیہ کے سترہ آدمی مار دو تو فتنہ ختم ہو جائیگا۔

اُنھوں نے کہا ہاں میں نے کہا تھا، لیکن میری اس بات پر کسی نے توجہ نہیں کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کا عہد توڑ ڈالا۔ خدا کی قسم اگر مدینہ والے میرے مشورہ پر چلتے تو یہ دن دیکھنے میں نہ آتا کہ تم جیسا انسان مدینہ والے پر حکومت کرے۔ مسلم یہ سنکر غصہ میں آگیا اور ان کو قتل کر دیا اس کے بعد اور بھی بہت سے آدمیوں کو مروا ڈالا، اس دوران میں مروان نے کہا" خدا کی قسم تم نے کافی لوگوں کو قتل کیا ہے اگر یہ لوگ سب کے سب قریش ہوتے تو تمہاری خیریت نہ ہوتی، مسلم نے جواب دیا مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ یہ لوگ امیر المومنین کے باغی تھے۔

حرہ کے مقام پر قریش، انصار، مہاجرین اور سر برآوردہ میں سے جو لوگ قتل ہوئے کہا جاتا ہے کہ انکی تعداد ایک ہزار سات سو ہے اور دس ہزار عوام قتل ہوئے سب ملاکر

گیارہ ہزار سات سو قتل ہوئے۔ اس سے عورتیں اور بچے مستثنیٰ ہیں۔

ابو معشر نے لکھا ہے "یزید کی فوج میں سے ایک شخص ایک عورت کے پاس اسکی زچگی کی حالت میں پہونچا، یہ عورت انصاری تھی اس کا بچہ اس کے سینے سے لگا ہوا تھا اس شخص نے اس عورت سے کہا کیا تیرے پاس کچھ مال ہے؟ عورت نے جواب دیا، خدا کی قسم میرے پاس ان لوگوں نے کچھ مال بھی نہیں چھوڑا، پھر اس شخص نے کہا، خدا کی قسم یا تو جو کچھ تیرے پاس ہے لا کر رکھدے ورنہ میں تیرے اس بچے کو قتل کر دونگا" عورت نے جواب دیا "تیرا برا ہو! یہ ابن ابی کبشہ انصاری صحابی رسولؐ کا بچہ ہے، جنہوں نے رسول اللہؐ سے بیعۃ الشجرہ کے موقعہ پر اس بات پر بیعت کی تھی کہ نہ میں زنا کروں گا نہ چوری کروں گا اور نہ میں اپنے بچے کو قتل کروں گا اور نہ میں کوئی بہتان باندھوں گا نہ میں جھوٹ بولوں گا، کیا تجھے خدا کا خوف نہیں ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنے بچے سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے میرے پیارے بچے، خدا کی قسم اگر میرے پاس کوئی چیز ہوتی تو تیری جان بچانے کے لئے میں وہ عوض میں دیدیتی، اس فوجی نے ماں کا دودھ پینے کی حالت میں اس بچے کی ٹانگ پکڑی اور ماں کی گود سے چھین کر اس کو دیوار پر پٹک دیا۔ بچے کا بھیجا پھٹ کر زمین پر بکھر گیا، یہ فوجی جب گھر سے نکلا تو اس کا آدھا چہرہ کالا ہو چکا تھا۔

ہندوستانی مورخ امیر علی نے اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں لکھی ہے:۔

"جب یزید کو اہل مدینہ کے خروج اور گورنر وغیرہ کی عدول حکمی کی خبریں پہونچیں تو وہ دیوانہ ہو گیا اس کے دل میں آگ بھڑک اٹھی، اس نے فوراً مسلم بن عقبہ کی قیادت میں مرتدوں میں سے اور ان اہل شام میں سے جو بنو امیہ کے ہمدرد تھے، ایک لشکر مرتب کر کے روانہ کیا۔ مقام حرہ پر اہل مدینہ نے اس فوج کا مقابلہ کیا، یہاں دونوں فریقین میں زبردست معرکۂ جنگ ہوا۔ اہل مدینہ کو زبردست شکست ہوئی، مگر اہل مدینہ نے اپنی شجاعت و بہادری کی مثال قائم کر دی۔ اس معرکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جو تباہ کن چیز ہوئی وہ یہ کہ اہل مدینہ میں سے بہترین شہسوار اور بہترین صحابہ کرامؓ

اس میں شہید ہو گئے۔ اُموبین نے مدینہ کی زمین کو بالکل مباح سمجھ لیا تھا اس مدینہ کو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا حیات پناہ گزیں رہے جو رسالت کا محیط تھا جس کے باشندوں نے رسول اللہؐ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور ان کے لئے اپنا جان و مال قربان کر دیا تھا۔ اس مقدس سرزمین پر جو جو مظالم ڈھائے گئے تاریخ کے صفحات پر اسکی مثال اگر مل سکتی ہے تو وہ ظالم و جابر کونستابل الغرنسی کی مثال ہے جس نے حصار روم کے دوران میں جورج فرند سبرج کے ساتھیوں پر سخت وحشیانہ مظالم ڈھائے تھے۔ بنی اُمیہ کا ظلم وستم بھی کونستابل الغرنسی سے کچھ کم نہ تھا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ غرنسی نے تو بت پرستوں پر ظلم کیا تھا مگر بنی امیہ نے اہل مدینہ پر ظلم ڈھا کر مساجد کی بے حرمتی کی اور ان کو گھوڑوں کا اصطبل بنا ڈالا اور مقدس مقامات کو تباہ کر کے ان کو لوٹا تھا۔ یہ قدرت کا ایک کرشمہ تھا کہ اسلام کے زمانہ میں بھی ایک غرنسی پیدا ہوا۔ امیر علی نے یورپ والوں کی مثال دیکر آگے بیان کیا ہے کہ اموبین در حقیقت اسلام سے ہی دور ہو گئے تھے کیونکہ ایک مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے مدینہ کی بے حرمتی کی جراُت نہیں کر سکتا۔ آگے چل کر مزید بیان کیا ہے کہ مدینہ والوں کے قتل و غارت کے بعد جو کچھ ان لوگوں میں بچے کھچے تھے وہ یزید کے غلام بن گئے اور اگر ان میں سے کسی نے غلامی سے انکار کیا تو اُس کو لوہے سے داغ دینے کی سزا دیدی جاتی پھر اس کو خوب رسوا و بدنام کیا جاتا۔ مورخ نے آگے چل کر بیان کیا کہ مدینہ والوں میں سے اس عذاب و مصیبت سے صرف چند اہل بیت یعنی علی بن حسین و زین العابدین و علی بن عبداللہ بن عباس ہی بچ سکے۔ مدینہ میں جو علمی مدارس وغیرہ کی چند مختصر یادگاریں موجود تھیں جن کو خلفاء راشدین کے زمانہ میں قائم کیا گیا تھا ان میں سے چند کو بند کر دیا گیا اور چند کو منہدم کر دیا گیا

مسلم بن عقبہ

فخری مسلم بن عقبہ کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

یہ مسلم بن عقبہ عرب کا ایک بڑا جابر شیطان تھا، یزید نے اس کو جب مدینہ کی پر

بھیجا تھا اُس وقت یہ کافی ضعیف العمر تھا؛

صاحب العقد الفرید اس کی شکل کا نقشہ اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"وہ یک چشم .... تھا،

مستشرق دوزی کہتا ہے کہ:۔ "مسلم بن عقبہ ایک ایسا آدمی تھا جو نہ اللہ پر ایمان رکھتا تھا اور نہ اسلام پر۔ غالباً دوزی نے مسلم بن عقبہ کے متعلق یہ حکم اس لئے لگایا ہے کہ مدینہ میں بلا وجہ اس بیدردی کے ساتھ قتل و غارت کرنا اور اس کے اعمال و حرکات اور شر و طغیانی سب اس کے عدم ایمان کی دلیل ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ معاویہؓ نے اپنی وفات کے بعد مدینہ میں بغاوت پیدا ہونے کے وقت اپنے ولیعہد کو مسلم بن عقبہ سے کام لینے کی وصیت کی تھی، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معاویہ اس شخص کے شر و طغیان کو اچھی طرح جانتے تھے، اگرچہ یزید پہلے اس کی طرف مائل نہیں ہوا تھا کہ اسکی وجہ غالباً یہ تھی کہ مسلم بہت کمزور ضعیف اور زیادہ عمر کا بڈھا تھا اور بیمار بھی تھا۔ مدینہ کی جنگ کے لئے جب یزید سے اور لوگوں نے انکار کر دیا تو یزید نے مسلم کو بلایا اس وقت مسلم مسرت میں جھوم گیا اور اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ یزید نے مسلم سے یہ کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تم کو معاف کر دوں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم بہت زیادہ کمزور اور ضعیف ہو چکے ہو۔ اس کے جواب میں مسلم نے کہا:۔ میں خدا کی قسم دلاتا ہوں آپ مجھے اس ثواب سے محروم نہ کریں جو اللہ تعالیٰ مجھے دینا چاہتا ہے۔ اس سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلم مدینہ جانیوالی فوج کی قیادت کرنیکا بیحد خواہشمند تھا تاکہ یزید کی خلافت سے منحرف ہو جانے کا بدلہ اہل مدینہ کو قتل عام کی صورت میں دیا جاسکے اس کمزور اور ضعیف آدمی کی یہ خواہش ظاہر اور کھلی ہوئی ہے، اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ مسلم پرانا انتقام لینے اور جماعت قریش کو پاش پاش کرنے کی زبردست خواہش رکھتا تھا۔ اور جب ہم مسلم کا وہ خط دیکھتے ہیں جو اس نے مدینہ پر حملہ کرنے اور وہاں تین روز تک جان و مال کو اپنی فوج کے لئے مباح کرنے کے بعد یزید کو لکھا تھا، تو اس قول کی اور تصدیق ہو جاتی ہے، اس خط کے مضمون سے

مسلم کی عجیب وغریب کینہ پروری اور اس کا شر و فساد بھی صاف طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے، یہ چیز ہمارے خیال میں اسلام کے کسی رہنما میں بھی نہ پائی گئی تھی۔ البتہ یہ کینہ پروری اور شر و فساد اس تیمور اور اس چنگیز خاں میں ضرور تھا جنھوں نے عالم اسلامی کو پاش پاش کرنے اور اسکی تہذیب و تمدن کو برباد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مسلم بن عقبہ یزید کو اپنے خط میں یہ الفاظ لکھتا ہے:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مسلم بن عقبہ کی طرف سے یزید بن معاویہ امیر المومنین کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ اے امیر المومنین میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اما بعد! اللہ تعالےٰ امیر المومنین کی حفاظت اور کفالت کا والی ہے، میں امیر المومنین کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں دمشق سے چل کر جب وادی قریٰ میں پہونچا تو مروان بن حکم بھی ہم سے آملا جو دشمن کے خلاف میرے لئے مددگار ثابت ہوا۔ اب ہم مدینہ پہونچے وہاں دیکھا کہ اہل مدینہ نے بہت سے خندق کھود رکھے ہیں اور وہیں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں اور خندقوں کے دروازوں پر مسلح آدمی متعین کر دئے ہیں۔ ان خنادق میں اہل مدینہ نے اپنے مویشی اور دوسری ضروریات بھی رکھ لی تھیں۔

ہم نے ان اہل مدینہ کو امیر المومنین کے معاہدہ سے باخبر کیا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اس کے بعد ہم نے اپنے ساتھیوں کو منتشر کر دیا۔ حصین بن نمیر کو ذناب کے کنارے پر متعین کیا۔ اور حبش بن دجلہ کو بنی سلمہ کے کنارہ پر متعین کیا اور عبداللہ بن مسعدہ کو بقیع الفرقد کے کنارہ پر متعین کیا اور میں امیر المومنین کی طرف سے باقی دوسرے قائدین کے ساتھ بنی حارثہ کے سر برآوردہ لوگوں کی طرف بڑھا اور اپنے شہواروں کو جب دن ہوا عبدالاشہل کے کنارہ پر داخل کیا، ایک ایسے راستہ سے جس کو اہل مدینہ کے ایک آدمی نے کھول دیا تھا اور جس کی طرف امیر المومنین کا کام کرنے کیلئے مروان بن حکم کو بلایا تھا، کسی شخص کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ دن کے کسی حصہ میں دشمن نے مقابلہ نہیں کیا۔ پھر ہم نے ظہر کی نماز ان کے قتل عام اور زبردست لوٹ کھسوٹ کے بعد انھیں کی مسجد میں پڑھی۔ ہم نے خوب تلواریں چلائیں اور ان کے بڑے بڑے

آدمیوں کو قتل کیا اور جو سامنے آیا قتل کرتا گیا یہاں تک کہ شہر کو پاک وصاف کر دیا اور ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا دیے۔ تین روز تک امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق خوب لوٹ کھسوٹ کی گئی اور مظلوم شہید عثمان ابن عفان کے مکان کو اپنی پناہ میں لے لیا گیا۔

پس اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میرے دل کی پیاس کو بجھایا، اس طرح کہ پرانا اختلاف رکھنے والوں اور زبر دست نفاق رکھنے والوں کو ہم نے قتل کر دیا اس خط کے لکھنے کے وقت میں سعید بن العاص کے مکان میں بیماری کی حالت میں مقیم ہوں۔ اب میں اپنے انجام وموت کا انتظار کر رہا ہوں۔ آج کے بعد اگر میں مر جاؤں تو مجھے اسکی پرواہ نہیں ہے، یہ خط ۶۳ھ محرم میں لکھا گیا ہے۔

یزید کے پاس جب یہ خط پہونچا تو اس نے عبداللہ بن جعفر اور اپنے بیٹے معاویہ بن یزید کو بلا بھیجا اور ان کو یہ خط پڑھکر سُنایا۔ خط سنکر عبداللہ بن جعفر نے بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ پڑھا، اور معاویہ بن یزید کو اتنا رونا آیا کہ اسکی جان نکلی جا رہی تھی وہ بہت دیر تک روتا رہا۔ یزید نے عبداللہ بن جعفر سے کہا: "کیا میں نے جو تم سے مانگا اُس کو پُورا نہیں کیا۔ اور جو تم نے چاہا اس کو مہیا نہیں کیا۔ اور کیا ہمنے ان کے لئے عطایا نہیں بھیجے اور ان کے ساتھ احسان نہیں کیا اور ان سے عہد وپیمان نہیں کئے؟" اس کے بعد یزید نے اپنے بیٹے معاویہ سے کہا: "اے بیٹے تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟" اس نے جواب دیا: "جو لوگ اہل مدینہ میں سے مارے گئے ہیں انکے قتل پر رو رہا ہوں۔ اُن کو قتل کر کے ہم نے اپنے آپ کو قتل کر لیا ہے۔ اس پر یزید نے کہا: میں نے بھی ان کو قتل کر کے اپنی پیاس بجھالی ہے۔

مسلم جب اہل مدینہ کے قتل اور تین روز تک ان کو لوٹنے کھسوٹنے سے فارغ ہوا تو اس نے چند روز اپنے امور کا انتظام کرنے اپنی فوج کی تنظیم کرنے اور ہتھیاروں سے مسلح کرنے میں صرف کئے اور اس کے بعد مع اپنی فوج کے مکہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جانے سے پہلے مدینہ پر روح بن زنباع کو اپنا جانشین بنایا جو مسلم کے خاص مصاحبوں میں سے تھا اور اس کے ساتھ دمشق کی ایک فوج امن قائم رکھنے اور حدود کے چلانے

کے لئے چھوڑ دی۔ مسلم مدینہ سے چل کر جب مشلل یا قدید کی طرف پہونچا (قدید مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے) تو مسلم پر مرض کا حملہ ہوا اور اس نے محسوس کیا کہ اب اسکا آخری وقت آگیا ہے، مدینہ کے حوادثات نے اور ان کے ساتھ ظلم و عدوان کرنے نے اس کے قوئی اور بھی کمزور کر دئے تھے۔ یزید نے مسلم کو ہدایت کی تھی کہ اگر مسلم جنگ کے جاری رکھنے پر قادر نہ رہا تو اپنا جانشیں حصین بن نمیر کو بنائے، چنانچہ مسلم نے حصین بن نمیر کو بلا کر کہا: اے ابن بر ذعة الحمار! خدا کی قسم اگر اس معاملہ کا اختیار مجھے ہوتا تو تجھکو اس فوج کا والی نہ بناتا۔ لیکن امیر المومنین نے میرے بعد تجھے والی بنانے کی ہدایت کی تھی اِس لئے تجھکو یہ اختیار سونپ رہا ہوں۔ امیر المومنین کے حکم سے روگردانی کرنے کا حق مجھے نہیں ہے لیکن چار باتیں مجھ سے سُن لو! سفر جلدی کرنا۔ جلدی سے جنگ کرنا۔ خبر کو عام کرنا۔ اور اپنا راز قریش سے فاش نہ کرنا۔
مشلل میں مسلم کی وفات ہوگئی اور وہیں اس کو دفن کر دیا گیا۔ یہ واقعہ آخر محرم ۶۴ھ میں پیش آیا۔ یزیدی فوج جب یہاں سے کوچ کر گئی تو بعض لوگوں نے اسکی قبر کھود کر اسکی لاش نکالی اور اس کو آگ لگا دی اس طرح اس کا کوئی نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

دراصل مسلم اپنے جانشیں سے کسی طرح خوش نہ تھا مگر چونکہ یزید نے اس کو ہدایت کی تھی اس لئے اس نے مجبوراً حصین کو فوج کا قائد بنا دیا۔ بعض مورخین کا اس بارے میں خیال یہ ہے کہ مسلم حصین سے اس لئے مطمئن نہ تھا کہ وہ اس کو آرام طلب اور ضعیف الارادہ سمجھتا تھا، جو قلب حجاز پر حملہ کرنے کے سامان کرنے پر کسی طرح قادر نہ تھا۔ مسلم کا غالباً یہ بھی خیال تھا کہ حصین ایسا آدمی نہیں ہے جو یزید اور اس کی خلافت کے لئے مکہ کا محاصرہ کرنے میں کوئی دلچسپی رکھتا ہو، اسی وجہ سے اس کو جانشین بنانے اور فوج کا قائد بنانے سے کسی طرح خوش نہ تھا لیکن یزید حصین پر پورا اعتماد رکھتا تھا اور قبیلہ کندہ کو جس کا ایک فرد حصین بھی تھا خوش کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ حصین یزید کے خاص آدمیوں میں سے تھا اور اس سے پہلے وہ بلاد روم کے

غزوات میں حصہ لے چکا تھا اور وہاں اس نے کافی تدبر اور استقلال سے کام لیا تھا۔

حصارِ مکہ

بعض مورخین کا خیال ہے کہ عبداللہ بن زبیر صاحب عقل، تیز فہم اور بہادر آدمی تھے، جہاں تک انکی جرأت کا تعلق ہے اس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، عبداللہ بن زبیر کی تاریخ سے ایسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ وہ کوئی ایسے آدمی تھے جو اپنے دشمنوں کے مکر و فریب اور جنگی چالوں سے غافل رہے ہوں یا مکہ میں لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہو۔

اس لئے جب یزید بن معاویہ خلافت پر فائز ہوا تو عبداللہ بن زبیر مکہ میں اپنا وقت نماز و عبادت اور طواف کعبہ میں گزارنے لگے اور تقدیر کا انتظار کرنے لگے کہ شاید اللہ تعالےٰ ان کو بغیر کسی سبب کے ملک و خلافت کا والی بنا دے، معرکہ کربلا جب پیش آیا تو عبداللہ بن زبیر مکہ میں عید اور موسم حج کے موقع پر لوگوں کے سامنے اموی سیاست پر تنقید کرنے، یزید کے لہو و لعب اور شراب خوری اور عیاشی کی زندگی پر نکتہ چینی کرنے اور لوگوں کو اسکی خلافت سے برطرف رہنے اور اس کے خلاف کرنے کی ترغیب دینے میں کسر نہیں اُٹھا رکھتے۔ شروع شروع میں عبداللہ بن زبیر نے یہ کام علی الاعلان نہیں کیا بلکہ چھپ چھپ کر کیا۔

واقعۂ مدینہ نے ان کے اس دعویٰ کو اور زیادہ تقویت پہونچائی اور یزید کے اغراض کو طشت ازبام کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر کو اس بات کا یقین تھا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مکہ میں خونریزی کرنے کو حرام قرار دیا ہے اس لئے کسی شخص کو بھی اس کی ہمت نہ ہوگی کہ وہ مکہ میں عبداللہ بن زبیر سے نبرد آزما ہو سکے اور اسی لئے مسلم کو بھی اللہ کے اس حکم کے خلاف کرنے کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے۔ لیکن جب مقام حرہ کا واقعہ پیش آیا اور اہل مدینہ کو شکست ہوئی اور مسلم نے اپنی فوج کا رُخ مکہ کی طرف کیا تو اس کے بعد ابن زبیر نے سمجھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اپنی اغراض کے سامنے دین و اسلام

سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اس وقت ابن زبیر نے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں احتیاط سے کام لینا حکمت عملی سمجھا اور اب ابن زبیر نے مکہ کو محفوظ کرنے اور مدافعت کے ذرائع بہم پہونچانے کا کام شروع کر دیا۔ ابن زبیر کے پاس چاروں طرف سے خبریں پہونچنے لگیں، ان کے پاس بعض وہ اہل مدینہ پہونچے جنھوں نے یزید کی خلافت پر بیعت نہیں کی تھی اور جو مسلم اور اس کی فوج سے بچ کر نکل آئے تھے اور بعض وہ خوارج بھی آئے جن کو ابن زبیر کی رائے سے اتفاق بھی نہ تھا اور ان کے آنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ بیت اللہ کی طرف سے مدافعت کرنے کے لئے بنوامیہ سے جنگ کریں گے ان خوارج میں ابن ازرق وغیرہ بھی تھے۔ اس موقعہ پر ابن زبیر نے ان خوارج کی رفاقت کو بھی غنیمت سمجھا اور ان کے آنے سے ان کو خوشی ہوئی ان خوارج کیسامنے ابن زبیر نے وہ باتیں پیش کیں جن سے خوارج اتفاق کر سکتے تھے، اور یہ معاملہ پیش کیا کہ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہ ہونا چاہئے اور مشورہ کے ذریعہ ہی سے ہر معاملہ طے کیا جانا چاہیئے

مگر واقعہ یہ ہے کہ ابن زبیر کو خوارج کے عقیدے سے کوئی اتفاق نہ تھا اور اسلام میں جن عقائد کے یہ خوارج قائل تھے ان پر ابن زبیر کو ذرا بھی اعتقاد نہ تھا، مگر چونکہ ابن زبیر اس نوع کے آدمی تھے کہ ان کا بھید کسی کو معلوم نہ ہو سکتا تھا اور نہ ان کا مقصد اصلی کسی کو معلوم ہو پاتا تھا اور غالباً ابن زبیر کی یہی خاموش پالیسی ہی ایسی ہے جس کی وجہ سے مستشرقین میں انکی شہرت بہت ہو گئی ہے کہ ابن زبیر انکے نزدیک بہت زیادہ ہوشمند اور مدبر تھے، اسی اثناء میں مختار بن عبد اللہ کا خط ابن زبیر کے پاس پہونچا۔ مختار وہ شخص ہیں جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر عبید اللہ بن زیاد نے ان کو کوفہ میں گرفتار کر لیا تھا لیکن چونکہ مختار، عبد اللہ بن عمر بن خطاب کے داماد تھے اس بنا پر ان کو ایک مرتبہ اور شہرت حاصل تھی، اس لئے ابن زیاد نے مختار کی حالت یزید کو لکھ بھیجی یزید نے مختار کو رہا کرنے کے لئے لکھ بھیجا اور ابن زیاد نے ان کو طوعاً و کرہاً رہا کر دیا۔

مختار جب رہا ہو کر آزاد ہوئے تو انھوں نے ابن زبیر کو ایک خط لکھا جس میں اُنھوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ ابن زبیر نے اس کو بڑی مسرت سے قبول کیا کیونکہ ابن زبیر مختار کی جرأت و بہادری اور قادر الکلامی اور مصیبت جھیلنے کی طاقت سے واقف تھے۔

اسی طرح ابن زبیر اپنے پاس بعض اعوان و انصار اکٹھا کرنے پر قادر ہو گئے تاکہ وہ یزید کی فوجوں کی مدافعت بار بار کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم کی جس فوج کے سامنے مدینہ ایک دن سے زائد نہ ٹھہر سکا اس کے سامنے مکہ دو مہینہ تک جما رہا حصین جب اپنی فوج کے ساتھ مکہ اور اس کی پہاڑیوں کے اطراف میں پہونچا تو اس نے پہاڑیوں اور وادیوں میں منجنیق وغیرہ نصب کر دیں اور اس طرح بیت اللہ کو محاصرہ میں لے لیا، مگر یہ محاصرہ کوئی زیادہ مضبوط محاصرہ نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یزید کی فوج کی وہ تعداد نہ تھی جو پہلے تھی کیونکہ مسلم نے اپنی کچھ فوجیں قبضہ رکھنے اور امن قائم رکھنے کے لئے مدینہ میں چھوڑ دی تھیں اس لئے اب اس کے پاس اسلحہ اور آدمیوں کی کمی ہو گئی تھی اس سے ابن زبیر کو اور بھی تقویت پہونچی چنانچہ شروع شروع میں ابن زبیر کو فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور یہ وہ فتوحات تھیں جن میں ابن زبیر خوارج اور مختار نے بڑی بہادری اور دلیری کا ثبوت دیا تھا۔

لیکن جب حصین نے دیکھا کہ اسکی فوجیں شکست کھا رہی ہیں اور ابن زبیر کی فوجیں فتحیاب ہو رہی ہیں اور محاصرہ کا وقت طویل ہو رہا ہے اور پھر شام سے بھی کمک نہیں پہونچ رہی ہے تو اس نے ۳ ربیع الاول ۶۴ھ کو اپنی فوج کو حکم دیا کہ منجنیقوں کے ذریعہ بیت اللہ پر پتھر کی بارش شروع کرے۔ اب کیا تھا، منجنیقوں سے پتھر کی بارش بیت اللہ شریف پر ہونے لگی اور اس سنگباری کے ساتھ مختلف ذرایعہ سے آگ لگانا شروع کر دی اس طرح کعبہ منہدم ہو گیا اور اسکی بنیادیں تک ہل گئیں اور اب اہل مکہ اور ابن زبیر تاب مقابلہ نہ لا سکے، یہاں تک کہ ابن زبیر نے بیت اللہ کو اپنی فوجوں کا مستقر قرار دیدیا۔ مکہ کے محاصرہ پر دو ماہ گزر گئے تھے۔ دونوں طرف کی فوجیں اپنی اپنی طاقت کے مطابق برد آزما تھیں اور ایک دوسرے کو بڑی سختی کے ساتھ نقصان

بھو پچار رہی تھیں، یہاں تک کہ اہل شام کے لئے زمین تنگ ہو گئی اور اب اہل شام پست ہمت ہو کر اپنے ملک کی طرف واپسی کا اور محاصرہ کو ختم کرنے کا انتظام کرنے لگے عبداللہ بن زبیر حرم شریف سے چمٹ گئے، ان کے چاروں طرف انکی فوج اور انکی جماعت تھی مگر اس کے ساتھ ہی وہ موت کی بازی لگا کر جنگ کر رہے تھے اور یہ سوچکر کر رہے تھے کہ اگر اہل شام ان پر غالب آ گئے تو ان کا بھی ایسا ہی انجام ہونیوالا ہے، جو اہل مدینہ کا ہوا تھا۔ ابھی یہی کیفیت تھی کہ یزید کی موت کی خبر دمشق سے آ گئی جو یزید کے حمص کے ایک گاؤں حوارین میں ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کی شب میں واقع ہوئی قول راجح کے مطابق یزید کی موت ۴۰ برس کی عمر میں ہوئی۔ حصین کو جب یہ خبر معلوم ہوئی۔ اور لوگوں اور فوجوں کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دونوں فریقوں کی جنگ رک گئی۔ یزید اپنی زندگی میں اپنی قوم کا سردار تھا مگر جب وہ مرا تو لوگوں کے دلوں میں اسکی بیعت کا خیال مضبوط نہ رہا کہ وہ اسکی تائید اور تقویت کے لئے جنگ کو جاری رکھتے، اور ابن زبیر اور اہل مکہ جیسے لوگوں کی مخالفت کے ہوتے ہوئے یزید کی خلافت کو باقی رکھنے کی کوشش کرتے، اس صورت حال میں لوگ آزاد ہو گئے اور یہ فیصلہ ان کی ذات پر منحصر ہو گیا کہ وہ اگر چاہیں تو جنگ کریں اور چاہیں تو جنگ کو روک دیں، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بعض لوگ معاویہ بن یزید جو ابھی نوجوان لڑکا تھا جس کو ابھی زمانے کا کوئی تجربہ نہ تھا اسکی خلافت کے بارے میں اچھی رائے نہ رکھتے تھے، طبری نے لکھا ہے کہ ابن زبیر کو جب یزید کی موت کی خبر معلوم ہوئی (اور یہ خبر ابن زبیر کے ان جاسوسوں سے معلوم ہوئی جو دمشق میں تھے) اور اہل شام کو اسکی خبر ابھی نہ ہوئی تھی اس لئے وہ مکہ کا محاصرہ بہت سختی سے کئے ہوئے تھے اس وقت ابن زبیر اور اہل مکہ نے پکارنا شروع کیا۔

"تم لوگ کس بنا پر جنگ کر رہے ہو؟ تمہارا سرکش ہلاک ہو گیا"۔ اہل شام نے اس خبر کو سچ نہیں مانا، یہاں تک کہ ثابت بن قیس النخعی جو اہل عراق کے ایک سربرآوردہ آدمی تھے، جب کوفہ سے آئے اور حصین بن نمیر سے ملے، حصین ان کو سچا آدمی مانتا تھا اور ان دونوں کے درمیان دامادی کا رشتہ بھی تھا، اور حصین ثابت کو معاویہ کے پاس بھی

دیکھا کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی ان کے شرف و فضل اور اسلام کو بھی جانتا تھا تو ان سے حصین نے اس خبر کے متعلق دریافت کیا تو اُنھوں نے یزید کی موت کی تصدیق کی۔

اس وقت حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر کے پاس اپنا ایک آدمی بھیجا کہ آج کی رات ہم اور آپ ایک دوسرے سے ملاقات کرلیں چنانچہ یہ دونوں ملے، ابن زبیر سے حصین نے کہا یہ شخص ہلاک ہو چکا ہے اور اس معاملہ میں آپ تمام لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ آگے بڑھو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں پھر ہمارے ساتھ شام چلو، یہ لشکر جو میرے ساتھ ہے وہ اہل شام کے سربرآوردہ شہسواروں کا ہے، خدا کی قسم! آپ سے دو آدمی بھی اختلاف نہ کرسکیں گے، لوگوں کو امن مل جائیگا اور وہ خون معاف کردیا جائے گا جو ہمارے تمہارے درمیان، ہمارے اور اہل حرہ کے درمیان میں بہا۔ حصین چپکے چپکے باتیں کر رہا تھا اور ابن زبیر زور زور سے کہہ رہے تھے، خدا کی قسم میں یہ نہیں کروں گا، حصین نے کھڑے ہو کر غصہ میں کہا اُن کا برا ہو جو تم کو عقلمند و دانا کہتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ تم بہت ہوشیار ہو میں تو تم سے آہستگی سے بات کر رہا ہوں اور تم چیخ چیخ کر جواب دے رہے ہو، میں تمھیں خلافت پر بٹھانا چاہتا ہوں اور تم مجھے موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتے ہو۔

اس کے بعد حصین کھڑا ہو گیا اور فوج اور لوگوں کو چیخ چیخ کر پکارنے لگا اور پھر وہ ان کے ساتھ مدینہ کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرے مگر ابن زبیر نے اس کو طواف سے روک دیا۔ مورخین نے اس فوج کی واپسی کا نقشہ پیش کیا ہے کہ کس طرح شام کے راستہ میں یہ فوج تتر بتر ہوگئی اور کس طرح اس پر اہل حجاز عام طور پر اور اہل مدینہ خاص طور پر غالب آگئے اور اس کے بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور ان کا قلع قمع کردیا۔

عہد یزید کی فتوحات

یزید کے عہد میں کوئی ایسی فتوحات نہیں ہوئیں جو قابل ذکر ہوں۔ ان مختصر سالوں

ہیں جب کہ وہ تخت حکومت پر متمکن ہوا، اپنی توجہ سلطنت کے داخلی مخالفین کے ساتھ جنگ کرنے میں صرف کی، اس لئے عرب مسلمان اس دور میں بجائے اس کے کہ حکومت اسلامیہ کی توسیع کرتے عرب سلطنت کے پڑوس ممالک میں اسلامی تہذیب پھیلاتے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہے اور جو واقعات وحوادثات حکومت عرب کے باہر پیش آئے وہ افریقہ میں پیش آئے، یہ حالات بھی ایسے اہم نہیں ہیں جن کے لئے کوئی مبسوط بیان کی ضرورت ہو لیکن کچھ واقعات اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

ہم نے اپنی کتاب معاویہ بن ابی سفیان میں ذکر کیا ہے کہ معاویہ نے جب افریقہ پر مسلمہ بن مخلد کو والی بنا کر بھیجا تو مسلمہ نے اپنے مولیٰ ابو المہاجر کو افریقہ پر مامور کیا۔ ابو المہاجر افریقہ پہونچا تو اس نے افریقہ کے گورنر عقبہ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اور اس کی تخفیف کردی۔ ہم نے کتاب مذکور میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہی وہ رخنہ ہے جس سے مسلمان نالاں تھے اس لئے جو جو بھی کسی والی کا جانشیں ہو کر آتا وہ بجائے اس کے کہ وہ اپنے پیش رو لوگوں کی رائے اور تجربہ سے فائدہ اٹھاتا اس کی ساری کوشش یہ ہوتی کہ وہ اپنے پیش رو کی تحقیر وتذلیل کرتے اور اس کے معاملہ کو بگاڑ دے اور اسکو بے اثر بنادے جب عقبہ شام سے لوٹ کر آیا اور معاویہ کا ابو المہاجر پر عتاب نازل ہوا تو معاویہ نے عقبہ سے معذرت چاہی اور اس کو اپنی جگہ پر پھر متعین کرنے کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد قبل اس کے کہ معاویہ اپنا وعدہ پورا کریں انکی وفات ہو گئی اور جب یزید والی خلافت ہوا تو اس نے عقبہ کو معاویہ کے وعدہ کے مطابق افریقہ کا گورنر بنا کر بھیجدیا عقبہ بن نافع یہاں سے افریقہ کے لئے روانہ ہوا اور جب وہ قیروان پہونچا تو عقبہ نے ابو المہاجر کو قید کرلیا۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا لشکر لیکر عقبہ شہر (باغایہ) میں داخل ہوا۔ یہاں بہت سے آدمی جمع تھے ان سے زبردست جنگ ہوئی اور عقبہ کی فوجوں سے آدمیوں نے شکست کھائی اور یہ شکست خوردہ آدمی شہر میں داخل ہوئے تو عقبہ نے اس کا محاصرہ کرلیا۔ ان آدمیوں پر یہ جگہ تنگ آگئی تو بلاد زاب کی طرف نکل گئے، یہ وہ وسیع بلاد ہیں جس میں کئی شہر اور بہت سے قریہ تھے۔ عقبہ نے ان میں سب سے بڑے شہر آربہ کا قصد کیا۔

تمام آدمیوں نے مزاحمت کرنا چاہی مگر اسلامی فوجوں نے ان کے ساتھ جنگ کر کے انکو شکست دیدی اس کے بعد عقبہ تاہرت کی طرف روانہ ہوا۔ اہل روم کو جب عقبہ کی آمد کی اطلاع ملی تو انھوں نے قبیلۂ بربر سے تعاون حاصل کیا۔ بربر نے ان کا ساتھ دیا اوران کی مدد کی اور پھر اہل روم کی فوج کی بہت بڑی تعداد ہو گئی اس وقت مسلمانوں کو بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا مگر آخر کار فتح مسلمانوں کو ہی ہوئی۔ رومی اور بربری شکست کھا گئے اور مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت اور اسلحہ ہاتھ لگے۔

اس کے بعد عقبہ چل کر طنجہ کے مقام پر پہونچا۔ راستہ میں ایک رومی سے جس کا نام بلیان تھا ملاقات ہوئی۔ بلیان نے عقبہ کی خدمت میں بہترین ہدایا پیش کئے اور ماتحتی قبول کر لی۔ اس کے بعد عقبہ طنجہ کے مغربی جانب سوس ادنیٰ کی طرف چلا۔ یہاں بہت بڑی تعداد میں بربر سے سامنا ہوا ان کو بھی عقبہ نے شکست فاش دی اور پھر سوس اقصیٰ کیطرف روانگی ہوئی یہاں بھی بربر کی بہت بڑی تعداد کا مقابلہ ہوا اور انکو بھی شکست دیکر عقبہ آگے بڑھا یہاں تک بحر ظلمات میں پہونچا، اس وقت عقبہ نے کہا:۔

"اے رب! اگر یہ سمندر نہ ہوتا تو میں تیرے راستہ میں جہاد کرتا ہوا تمام بلاد میں پہونچ جاتا!" اور جب وہ لوٹا تو رومی اور بربری ڈر کر راستہ سے بھاگنے لگے، اور جب عقبہ شہر "طبنہ" پہونچا (طبنہ اور قیروان کے درمیان ۸ روز کا راستہ تھا، تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ فوج در فوج ہو کر آگے بڑھو، اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہ دشمن کو بالیقین شکست دیدی جائیگی۔ نیز یہ کہ اب کوئی شخص دشمن سے ڈرتا نہیں ہے۔ اور اس کے بعد تہوذا کی طرف روانگی ہوئی تاکہ وہاں عقبہ تھوڑے آدمیوں کی تعداد کے ساتھ نمٹ لے، لیکن جب اہل روم نے دیکھا کہ عقبہ کی فوج کی تعداد تھوڑی ہے تو ان کو لالچ پیدا ہوا اور انھوں نے دروازہ بند کر لیا اور عقبہ کو برا بھلا کہکر ان سے مقاتلہ کیا۔ عقبہ ان کو اسلام کی دعوت دیتے جا رہے تھے جس کو رومیون نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دشمن کی فوج میں بربریوں کا بہت بڑا آدمی کسیلہ بھی تھا جس نے ابوالمہاجر کے زمانہ میں اسلام اختیار کر لیا تھا۔ عقبہ جب آیا اور ابوالمہاجر کے ساتھ برا

سلوک کیا تو کسیلہ عقبہ کے خلاف ہو گیا تھا۔

روم نے جب عقبہ کی فوج کو قلیل تعداد میں دیکھا تو اہل روم نے کسیلہ کو بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ وہ ان سے مل جائے۔ کسیلہ نے اس کو قبول کر لیا اور اپنے آدمیوں اور اپنے چچا کے بیٹوں کو اکٹھا کر کے عقبہ کی طرف رُخ کیا۔ ابوالمہاجر نے کسیلہ سے کہا کہ جلدی کرو اور اس سے پہلے کہ عقبہ اپنی فوج جمع کرے حملہ کر دو۔ عقبہ نے کسیلہ پر حملہ کیا مگر کسیلہ ایک طرف ہٹ گیا اور اپنی فوج جمع کر کے اہل روم کے ساتھ ملکر مسلمانوں پر اتنا زبردست حملہ کیا کہ اس میں تمام مسلمان کام آ گئے اور ان میں سے ایک بھی نہیں بچ سکا۔ عقبہ اور ابوالمہاجر بھی مارے گئے۔ قیروان میں قیس بن زہیر بلوی گورنر تھا اس نے قتال کا ارادہ کیا اس لئے وہ قیروان کو چھوڑنے پر مجبور ہوا اور برقہ میں آ کر قیام کیا۔ کسیلہ قیروان پہونچا اور اس پر قابض ہو گیا اور وہاں جو مسلمان تھے ان کو امن دیکر افریقہ پر قابض ہو گیا۔ افریقہ کے ان حوادث کا سبب دراصل یہی تھا کہ گورنروں میں زبردست اختلاف رہتا تھا اور ہر گورنر اپنے پیش رو اور بعد میں آنیوالے کی تحقیر و تذلیل میں لگا رہتا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کی فکر کرتے وہ اپنی خود غرضیوں میں مست رہتے تھے۔

روم کی سرحد پر

یزید کے دور میں عراق اور حجاز میں جو حوادثات پیش آئے وہ تمام دوسرے حوادثات پر فوقیت لے گئے اسی لئے مورخین نے دوسرے حوادثات کا ذکر بقدر ضرورت ہی کیا ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ یزید کے دور کو لوگ خانگی فتنوں سے لبریز دیکھتے ہیں یہ بات ٹھیک ہے کہ فتوحات کے نہ ہونے اور بیرونی جنگوں میں حصہ نہ لینے کی حیثیت سے یزید کا دور معاویہ کے دور سے بہت زیادہ مختلف تھا۔ عہد معاویہ میں عرب فوجیں حکومت روم کے شہروں پر سال میں دو مرتبہ حملے کرتی تھیں۔ ایک حملہ موسم سرما میں اور دوسرا حملہ موسم گرما میں اور قسطنطنیہ کے گرد و نواح میں دو مرتبہ پہونچکر اہل روم سے سخت جنگ

کرتی تھیں اور اہل روم زبردست جواب دیتے تھے یہاں تک کہ عرب فوجیں دریائے باسفورس تک پہونچ جاتی تھیں اس طرح کبھی ان رومی فوجوں پر ان کو فتح حاصل ہوتی تھی اور کبھی واپس چلی آتی تھیں۔ عربوں کو ان جنگوں میں اگرچہ کچھ مال غنیمت مل جاتا تھا مگر درحقیقت یہ جنگیں ایسی نہ تھیں جن سے عربی فوجوں کو ان مقامات پر جہاں وہ اُترتی تھیں اپنے قدم جمانے کا موقعہ مل جاتا ہو بلکہ ان جنگوں میں عربوں کو صرف ایک قسم کا تجارتی فائدہ ہوتا تھا اور عربوں کو کچھ قیدی اور کچھ مال غنیمت جانور وغیرہ مل جاتے تھے اور پھر آخر کار اپنے مقام پر واپس ہو جاتی تھیں اور جہاں پہلا سال ختم ہو کر دوسرا سال شروع ہوا یہ فوجیں پھر جاتیں اور حسب سابق عمل کرتی تھیں۔ ان جنگوں میں اگرچہ عرب زمین کے ایک حصہ پر بھی قابض نہیں ہو پاتے تھے مگر طوروس کے پہاڑوں کے آس پاس تک عربی حکومت کے حدود مضبوط اور مستحکم ہو گئے تھے اور رومیوں کو اسکا موقع نہیں رہا تھا کہ وہ عرب حکومت کے حدود میں کچھ فساد پیدا کر سکیں۔ ان علاقوں کے عرب فوجی افسر یہ خیال کرتے تھے کہ اگرچہ ان جنگوں سے ان کو بجز کچھ قیدیوں اور کچھ مال غنیمت حاصل ہونے کے اور کچھ فائدہ نہیں ہے، مگر اس سے اتنا فائدہ بیشک ہے کہ رومیوں کو اس کا موقعہ نہ مل سکتا کہ وہ اسلامی ملک کے مرکزوں پر حملہ آور ہو سکیں مگر چونکہ ان عربوں میں ابھی روح جہاد موجود تھی اس لئے وہ اپنی پہلی فتوحات پر قانع ہو کر رومی دشمن کے سامنے ایسے وقت کمزور ثابت نہیں ہونا چاہتے تھے، جبکہ رومی ان کے اوپر حملہ آور ہونے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

معاویہ نے اپنی آخر عمر میں جب یہ محسوس کیا کہ ان جنگوں میں عربی فوجونکو کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہوتا تو اُنھوں نے ایک طرف اسکندریہ اور لبنان کے ساحلوں پر ایک فوج کو متعین کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف ان اسلامی فوجوں کو اپنے مرکز کی طرف لوٹنے کا حکم دیا جو یونان کے قریبی علاقوں میں موجود تھیں کیونکہ دراصل ان جنگوں میں مال و جان کا نقصان ہی تھا اور کسی مزید فائدے کی اُمید نہ تھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنی آخری عمر کے زمانہ میں رومیوں کے کچھ ہدایا پیش کرنے

اور عرب حکومت کو جو فتوحات حاصل ہوئی تھیں رومیوں کے ان کو قبول کر لینے پر قناعت کر لی تھی۔ جب یزید تخت خلافت پر فائز ہوا تو اسلامی فوج قسطنطنیہ پر حملہ کرنے پر تیار نہ ہوئی اور تمام اسلامی فوجیں عرب حکومت کے حدود پر قائم رہیں اور رومیوں سے برد آزمانہ ہوئیں۔ ہم کو یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یزید نے اپنی ابتداء حکومت میں قبرص کو چھوڑ دیا تھا اور جو اسلامی فوج وہاں تھی اس کو قبرص کے چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا اور قبرص بہتر سو ۷۲۰۰ دینار کا سالانہ جزیہ اسلامی حکومت کے خزانہ کو دیتا تھا۔ یہ جزیہ عرب فوجوں کے وہاں سے ہٹ آنے کے بعد بھی ادا ہوتا رہا۔ ان عرب فوجوں کو بلا لینے سے دمشق حکمرانوں کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی حکومت کے حدود سے باہر متعین ہونیوالی فوجوں کے اخراجات میں کمی ہو جائیگی۔ بعض مورخین کے اس قول میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ یزید نے رومیوں سے کچھ مال بطور رشوت لیکر فوجوں کے ہٹا لینے پر اتفاق کر لیا تھا۔ یہ خبر ایسی ہے جس کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ روایت صحیح سے ثابت ہے واقعہ یہ ہے کہ رومی سلطنت کے حدود میں عرب فوجوں کے جنگ کرنے سے فائدہ کچھ نہیں تھا بلکہ جان و مال کا عظیم الشان نقصان ہی تھا اسی وجہ سے یزید نے اپنے اول دور حکومت میں ان فوجوں کو ہٹا لینے کا صحیح مشورہ دیا تھا اور ہم سمجھتے ہیں کہ یزید نے یہ بہت اچھا کام کیا تھا کیونکہ ان جگہوں میں صرف جنگ ہی ہوتی رہتی اور حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ رومیوں سے ایسی بات پر اتفاق کر لیا جائے جس سے اسلامی حکومت کے سرحدوں پر امن و سلامتی قائم رہے اور اسلامی فوجیں جہاں قائم تھیں ان کے پیر وہاں جمے رہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ یزید نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ تاریخی کتابوں سے کچھ جزوی لڑائیاں بھی ثابت ہیں جو یزید کے دور حکومت میں لڑی گئیں۔ یعقوبی نے ۶۱ھ میں اس قسم کی ایک جنگ کا ذکر کیا ہے اور واقدی نے بھی ۶۱ھ میں اس قسم کی ایک جنگ کا حال لکھا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ جنگیں اپنی نوعیت کی آخری جنگیں تھیں اور اس کے بعد اسلامی حکومت کی رومی سرحدوں پر امن قائم ہو گیا اور یزید اندرونِ سلطنت کے جھگڑوں میں

مصروف ہو گیا اور پھر اس کے دور میں عراق و حجاز کے اندر حوادثات پیش آتے رہے اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ رومی حکومت کے حدود پر جنگوں کا رُک جانا ایک فوجی ضرورت کے ماتحت تھا جس کی اہمیت اور منفعت سے انکار نہیں کیا جا سکتا حتیٰ کہ بعض یوروپین مورخین کا خیال ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس کے لئے وصیت کی تھی اور بالخصوص ان جنگوں کے رُک جانے سے بہت بڑا فائدہ ہوا کہ اسلام اپنے حدود اور قلعوں اور اپنے مقام پر محفوظ ہو گیا اور رومیوں کے لئے کوئی ایسی زمین نہیں چھوڑی جس کو اُنھوں نے حاصل کر لیا تھا بلکہ اُنھوں نے چند سرحدوں کی تبدیلی کر لی تھی اور ایسے مقامات پر وہ مقیم ہو گئے تھے جہاں سے وہ اپنے ملکوں کی حفاظت بہ نسبت دوسرے مقامات کے زیادہ کر سکتے تھے۔ ان فوجی تدابیر سے عربوں کو بہت زیادہ فائدہ پہونچا۔

یہ بات قابل تعریف ہے کہ رومی دشمنوں پر عرب فوجوں کے وقتاً فوقتاً حملہ کرنے کی وجہ سے رومی غلبے سے پہلے ممالک عرب اور انکی حدود کی حفاظت ہو گئی، اس طرح ایک حد تک رومی دشمن کو عربی ممالک کے اندرونی حالات کا علم نہ ہو سکا چنانچہ جب روم نے اپنی فوجوں کو ہتھیاروں سے مسلح کر کے لبنان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تو حضرت معاویہؓ نے اس بات کو مناسب سمجھا کہ رومیوں کے ساتھ فی الحال صلح کر لی جائے تاکہ حضرت معاویہؓ امیر المومنین حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے موقع حاصل کر سکیں، چنانچہ جب حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کر کے کامیابی حاصل ہو گئی تو عربی جنگیں حسب سابق رومی حدود پر شروع ہو گئیں مگر حضرت معاویہؓ نے زبردست مشکلات کو اور کم فائدے کو دیکھتے ہوئے جنگ کو اس جگہ پر روک دینے کو مناسب سمجھا۔

یزید کے لہو ولعب کے مشاغل

صاحب الاغانی لکھتا ہے۔ "یزید پہلا وہ شخص تھا جس نے اسلام میں لہو ولعب کی لعنت جاری کی، مغنیوں کی پشت پناہی کی اور قتل و غارت اور بادہ نوشی کو رائج کیا۔ اس کی شراب کی مجلس میں اس کا ساتھی سرجون اور اخطل شاعر شریک ہوتا تھا" یہ بات

قابل ذکر ہے کہ صاحب الاغانی نے اس سلسلہ میں میانہ روی سے کام لیا ہے، چنانچہ فخری نے کے علاوہ دوسرے مورخین کی طرح مبالغہ سے کام لیکر یہ نہیں بیان کیا کہ یزید پہلا وہ شخص ہے جس نے گانا بجانا ایجاد کیا اور گانے والوں اور گانے والیوں کی مجلس میں بیٹھا اور مجالس لہو ولعب کو قائم کیا اور اس کے زمانہ میں اس کے سوا کسی بھی شخص نے ایسا نہیں کیا، سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حجاز جو وحی و نبوت کا مرکز تھا وہ رقص و سرود اور لہو ولعب کا مقام بن گیا۔ بنی اُمیہ کے عہد کے حجاز کے ذکر کے سلسلہ میں ہمارا یہ لکھنا بیجا نہ ہو گا کہ حجازی معاویہ اور یزید بن معاویہ کے دَور میں کافی خوشحال اور فارغ البال ہو گئے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ معاویہ اور یزید دونوں نے حجازیوں کے ساتھ نرمی و سختی کی سیاست سے کام لیا تھا، اگر ایک حیثیت سے ان کو تنگ کیا تو دوسری طرف سے ان پر عطایا کی بھرمار کر دی۔ معاویہ نے یزید کو اس کی وصیت کی تھی کہ وہ حجازیوں کے ساتھ بقدر ضرورت ہی سختی سے پیش آئے اور ان کو برابر تحفہ و تحائف سے نوازتا رہے کیونکہ یہ حجازی اپنے خاندانی اور اپنے ہی عنصر ہیں۔ یزید نے اپنے باپ کی وصیت پر اچھی طرح عمل کیا اور عطا اور بخشش کے اصول پر چلتا رہا اور اس وقت تک بخل سے کام نہ لیتا جب تک کہ اس میں کوئی سیاسی مصلحت اور عام فائدہ نہ ہوتا۔

عبداللہ بن جعفر نے یزید کے عطیہ پر نکتہ چینی کی تو یزید نے پوچھا:۔

تم کو کیا عطا ہوتا تھا؟

عبداللہ بن جعفر نے کہا:" ایک لاکھ" یزید نے کہا:۔

"میں نے اس کا دوگنا کیا" ابن جعفر نے کہا:" تیرے اوپر میرے ماں باپ قربان! میں نے تجھ سے پہلے اس بات کو کسی سے نہیں کہا" یزید نے کہا:" میں نے پھر دوگنا کیا" اس پر یزید سے کسی نے کہا:" کیا تم ایک آدمی کو تین لاکھ روپے دے رہے ہو؟ یزید نے اس کا جواب دیا کہ تمہارا برا ہو، یہ مقدار میں نے تمام اہل مدینہ کو دی ہے، یہ ایک معمولی بات ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یزید اپنے باپ معاویہ کی طرح نہیں تھا اور معاویہؓ کے اندر جو حلم و بردباری، حسن اخلاق، تدبر اور دور اندیشی تھی اس سے یزید یکسر محروم تھا یزید گھوڑ دوڑ کا بھی بہت شائق تھا۔ اس گھوڑ دوڑ کے لئے اس نے حمص کے اطراف میں ایک جگہ بھی بنائی تھی، اخطل نے اپنے شعر میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور اس شعر کو خوب گایا ہے، حالانکہ اس کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا، جبکہ نبوت کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور مرکز کی اہمیت کا سوال تھا اور اس کا بھی سوال تھا کہ لوگ اس کے اعمال سے واقف ہو جائیں گے۔

یزید سیر و تفریح کا بھی بہت دلدادہ تھا، اکثر اس نے دمشق میں چند دن ہی قیام کیا اور جوں ہی سیر و تفریح کا جذبہ اس کے دل میں بھڑکا دمشق چھوڑ کر کبھی حمص کے اطراف میں چلا گیا اور کبھی فلسطین کے مضافات میں طبریہ چلا گیا، یہاں وہ اپنے ایسے دوست احباب کی جماعت کے ساتھ جو ایک دوسرے سے خوب مانوس تھے چند دن گزارتا اور پھر لوٹ کر آتا، زندگی کی رنگ رلیوں میں ہمہ تن غرق رہتا، بادہ خوری، لہو ولعب اور رقص و سرود میں برابر محو رہتا تھا۔ یزید امیر ہوتے ہوئے بھی اس قسم کی زندگی گزارتا تھا، معاویہ نے ایک سے زائد مرتبہ اس کی اس عادت کو دبانا چاہا مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور نوجوان یزید نے جب کبھی دیکھا کہ باپ کی طرف سے سختی ہو رہی ہے اور اس پر آنکھیں اُٹھ رہی ہیں، دار الخلافہ کو چھوڑ کر گرد و نواح میں کہیں چلا گیا اور وہاں بے فکری سے لہو ولعب میں مبتلا ہو گیا۔ معاویہ اس چیز کو جانتے ہوئے بھی خاموشی اختیار کر لیتے تھے اور اگر تنبیہ بھی کرتے تو اس باپ کی طرح جس پر بیٹے کے ساتھ مہربانی اور محبت کا جذبہ غالب رہتا ہے اس لئے وہ اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ابن عباسؓ نے یزید کے حال میں لکھا ہے، یزید اپنے بہتر راستہ پر تھا، اس کے باپ نے اس کو اس کی تربیت امر و نہی سے کی تھی پھر یزید نے اس کو اختیار کر لیا تھا اور باپ کے راستے پر چلنے لگا تھا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یزید فروتنی کے ساتھ باپ سے پیش آتا تھا صحیح ہے اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن معاویہؓ یزید کو

ایسی سیاسی ترتیب دینے میں ناکام رہے جس سے یزید سیاسی معاملات کی نزاکت کو سمجھ سکتا اور اس میں حُسن تدبر پیدا ہو جاتا۔ معاویہؓ کا امور سیاسی میں اہتمام نہ کرنا بہت بڑی بات تھی۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ معاویہؓ کو اسکی زبردست خواہش تھی کہ یزید تربیت یافتہ ہو کر امور مملکت کو سمجھنے کے لائق ہو جائے، لیکن جب معاویہؓ نے دیکھا کہ یزید کے اندر سیاسی بصیرت حاصل کرنے اور امور مملکت کو سمجھنے کا کوئی جذبہ نہیں پایا جاتا تو معاویہ نے اُکتا کر اپنی آخری عمر میں یزید کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا اس سے ان کی لاپروائی ظاہر ہوتی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ معاویہ نے یزید کو اپنا ولیعہد بنانے میں بڑی سخت غلطی کی تھی، معاویہ کا یہ مقصد بھی نہ تھا کہ باہمی اتحاد قائم رہے اور تمام لوگ ایک مضبوط بنیاد پر کھڑے ہوں۔

یزید کو اپنا ولیعہد بنانے میں جو انہوں نے جرأت کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی ملکوں میں ایک انتشار پھیل گیا ان میں جھگڑے کھڑے ہو گئے اور تلواریں ننگی ہو گئیں۔ اگر معاویہ اسلام کی حفاظت و حمایت کو اور وراثت محمد کو حق سمجھتے تو ان کا فرض یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے سوا کسی اور کو خلیفہ بناتے اور کسی ایسے شخص کو اس پر فائز کرتے جس کے مرتبہ اور علم اور اخلاق کی وجہ سے تمام اسلامی ملک اس سے خوش رہتا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اس کو ایک خاندانی چیز بنا دیا۔ یہی سبب تھا کہ آج ہم اختلاف آرا اور اغراض و خواہشات کا غلبہ دیکھ رہے ہیں جس کی وجہ سے آج مسلمان ایسی حالت میں ہیں کہ نہ ان کا کوئی ذکر ہے اور نہ موجودہ سیاست میں انکا کوئی مقام ہے۔

یزید کی موت

یزید کا انتقال اچانک ہوا۔ وہ اسی دنیا سے ایسی حالت میں رخصت ہوا کہ لوگوں کو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلد دوسری دنیا میں جانیوالا ہے۔ یزید کی موت سے معاویہ کی سلطنت ختم ہو گئی اور بنی حرب کی حکومت پاش پاش ہو کر رہ گئی

اور اس کے بعد انکی حکومت و سلطنت کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ یزید کو تخت خلافت پر فائز ہوئے چوتھا سال تھا جب کہ اس نے مدینہ پر لشکر کشی اور مکہ میں عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کے لئے اپنی فوجیں بھیجی تھیں۔

یزید کی عمر اسکی وفات کے وقت ۴۰ برس کی تھی۔ یزید کی موت نے ایک حیرت پیدا کر دی اور اُمیہ کی صفوں میں ایک زبردست اضطراب رونما کر دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ یزید کا ولیعہد معاویہ بن یزید ابھی ایک نوعمر لڑکا ہی تھا جو حکومت کے لائق نہ تھا اور تمام عربی ممالک میں ایک فتنہ و ہیجان تھا جیسا کہ خود بنی اُمیہ میں ایک تشتت و افتراق تھا اور بہت سے لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ اُمیہ کی حکومت اب معرض زوال میں ہے خلافت اب حجاز میں چلی جائیگی۔ اور عبداللہ ابن زبیر جنھوں نے اپنا معاملہ مضبوط کر لیا تھا اور اپنی شان و دبدبہ بڑھا کر مکہ مدینہ اور عراق سے بیعت لے لی تھی، خلافت پر قابض ہو جائیں گے اور وہی سید العرب محمد رسول اللہ کے خلیفہ ہو جائیں گے۔

یزید کے مرض اور سبب موت میں بڑا اختلاف ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اور بعض دوسرے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اسکی موت مرض ذات الجنب سے ہوئی تھی، لیکن ابو معشر اور واقدی نے یزید کی موت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اسلامی حکومت اور نشاۃ اسلام کی تاریخ کی تدوین کی، ان دونوں نے یزید کی موت کے سبب اور مرض کی بحث کو بالکل نہیں چھیڑا۔ یزید کا انتقال دمشق اور حمص کے درمیان مقام حوارین میں ہوا۔ جنازہ کی نماز اس کے بیٹے خالد نے پڑھائی جس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑا بیٹا معاویہ بن یزید جو ولی عہد تھا وہاں موجود نہ تھا۔ حوارین میں رومی آثار ہمیشہ رہے ہیں انمیں ایک بہت بڑا محل تھا جہاں یزید آیا جایا کرتا تھا۔ اور حوارین میں قیام کے وقت اسی قصر میں اپنا وقت گزارتا تھا۔ عام طور پر لوگ اس قصر کو قصر یزید کہتے تھے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ کسی قدیم رومی قائد کا قصر تھا جس پر عربوں نے اپنی فتوحات کے زمانہ میں

قبضہ کیا تھا۔ یزید کا قیام اسی قصر میں اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں رہتا تھا اور اپنی خلافت کے زمانہ میں اسکی مرمت بھی کرائی تھی۔ مورخین نے یزید میں نہ کسی معمولی تدبّر کا ذکر کیا ہے نہ غیر معمولی تدبّر کا۔ غالب گمان یہ ہے کہ یزید نے اپنے عہد حکومت میں عربی سلطنت کے اصول میں سے کسی میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا تھا۔ اسکے عہد حکومت میں وہی اصول و قواعد جاری رہے جو اس سے پہلے عہد معاویہ میں رائج تھے۔ غالباً داخلی ہنگاموں نے جو اس کے زمانہ میں پیش آئے اس کو اس کی اجازت ہی نہ دی کہ کسی نئے اصول کو جاری کر سکتا یا کسی امر میں تبدیلی کر سکتا۔ ان حالات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یزید کے دور میں کوئی نئی چیز وضع نہ ہو سکی اور جو فتوحات ہوئیں وہ عدم کے برابر ہیں۔ یزید کے دور میں صرف تین اہم واقعات (واقعہ کربلا واقعہ مدینہ اور واقعہ مکہ) پیش آئے جن کی وجہ سے تمام عرب حکومت میں اضطراب و ہیجان پیدا ہو گیا تھا، ان واقعات کی تفصیل پہلی فصلوں میں آچکی ہے۔

رسول اللہ کی ندا

اب ہم تاریخ اسلام کا یہ باب بند کرتے ہیں جس میں نہ کوئی اچھا موضوع ہے اور نہ کوئی بڑی خبر ہے اور نہ کوئی خوش کن واقعہ پیش آیا۔

تاریخ اسلام کے تیس سال اس طرح ختم ہوتے ہیں کہ ان میں نہ کوئی بڑی فتح کا ذکر ہے نہ کوئی کارنمایاں ہے نہ کوئی کامیاب جنگ ہے ان میں تمام ممالک میں بجز رنج وغم کے کچھ نہیں ان میں اگر کوئی چیز قابل ذکر ہے تو وہ لوگوں کی ذاتی خود غرضیاں اور ذاتی خواہشات ہیں اور خصومت و اختلاف ہے جس کا افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی حقیقت مستور ہو گئی اور باہمی تحاسد و اختلاف کی آگ پھیل گئی جس سے ماضی کی عظمت فنا ہو کر جاہلیت کے دور کا اعادہ ہو گیا۔

کاش اگر ان فسادات کا اثر اتنا ہی ہوتا کہ ماضی کے واقعات تک محدود ہو جاتا تو ہم کو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور ہم یہ سمجھتے اور کہتے کہ چند خواہشات کا غلبہ

اور چند فتنوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کی تاریخ میں اس نوع کے واقعات پیش نہ آئے ہوں لیکن اس موجودہ دور میں بھی ہم ان جھگڑوں اور گذرے ہوئے فتنوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ان واقعات سے کچھ نصیحت حاصل کر لیتے اور ان سے کچھ سبق لیتے تو ہم اس نتیجہ پر پہونچ جاتے کہ مسلمانوں پر ہر جگہ جو ذلت نازل ہوئی ہے اس کا سبب مسلمانوں کا باہمی اختلاف وافتراق تھا۔ اور یہ احساس کرتے کہ بہر حال یہ ایک پرانی بات ہو چکی ہے اور ایک گزرا ہوا فتنہ ہے جس کا سبب اس سے زیادہ ہم نہیں جانتے کہ وہ لوگ جنھوں نے ان فتنوں کا جھنڈا بلند کیا تھا انھوں نے اس بات کی قسم کھالی تھی کہ وہ اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑیں گے آج جبکہ اس اختلاف کو ہمیشہ باقی رکھنے کی طرف مائل ہونیوالے اور اس تفرقہ کے سلسلہ کو بڑھانے میں شدت محسوس کرنیوالے لوگ موجود ہیں تو کیا آج کے عرب نوجوان اس خطرہ کو محسوس کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس کے عذاب سے ڈرنیوالے نہیں ہیں اور کیا وہ نہیں جان سکتے کہ انکی شاندار ماضی لوٹ سکتی ہے اور انکی عظمت رفتہ واپس آسکتی ہے۔ عرب نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ ماضی کے اس اختلاف وشقاق کی بحث کو ختم کر کے اپنی ماضی کو زندہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدا کی ہوئی وہ کونسی روح تھی جو مغلوبیت کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ پہونچی تھی اور پھر بعد میں مشرق سے مغرب تک تمام دنیا پر چھا گئی تھی۔ وہ اللہ کی توحید، کلمہ ایمان کی مضبوطی، قوموں کی وحدت اور مقصد ونصب العین کی یک جہتی کی روح تھی جس کو دنیا میں مبداء فیاض کے فضل سے عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی تھی، کیا عرب کے نوجوان نہیں جانتے کہ ان کے آباد واجداد اپنے اندر اسی توحید اور اسی یک جہتی کے خیال کو مستحکم کر کے تمام دنیا پر غالب آگئے تھے اور اس وقت تک دنیا کے ربع مسکون پر فاتحانہ بڑھتے رہے، جب تک انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدا کی ہوئی روح توحید کو اپنے اندر زندہ رکھا، لیکن جب انھوں نے رسول اللہ صلعم کی آواز پر لبیک کہنا اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ پھر یہی آزاد قوم جو اس سے پہلے دین محمدی زبان محمدی اور ہدایت محمدی کو لیکر جدھر نکل جاتی تھی کامیابی اور کامرانی اس کے قدم چومتی اور تمام زمین تھرا جاتی تھی۔ اس کے افراد جب خود غرضیوں کا شکار ہو کر اپنے الگ الگ راستوں پر چل پڑے اور اس طرح بالکل بے یار و مددگار ہو کر دنیا میں دوسری قوموں کے ذلیل ترین غلام بن کر رہ گئے۔ عربوں کو بیدار ہو کر اور اپنی ماضی کو از سر نو زندہ کر کے اپنی حکومت قائم کرنا چاہیئے اور ماضی کے اختلاف کو مزید اختلاف کا باعث نہ بنانا چاہیئے۔ یہ وہ ماضی ہے جس میں نصیحتیں بھری ہوئی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ ان عبرتوں کو ہم اچھے اعمال کی طرف رہنمائی کا باعث بنائیں اور سابقین کی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کریں تاکہ ہم پھر افتراق اور غفلت میں نہ پڑ جائیں۔

نوٹ :-

جو مؤرخین اسلامی عقائد سے بے نیاز ہو کر کتابیں لکھتے ہیں وہ ضرور ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ پیش نظر کتاب کے مؤلف نے قرآن وحدیث کے ارشادات کو بالکل سامنے نہیں رکھا۔ تاریخ جو جھوٹ کا پلندہ کہلانے کی مستحق ہے۔ بس اس سے استفادہ کیا ہے۔

مؤرخین۔ حضرت سید الشہدا، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے پس منظر میں ان روایات کو قبول کرنے سے گریز نہیں کرتے جن سے اہل بیت کرام اور صحابہ کرام کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک دونوں مقدس گروہ (اہل بیت کرام اور صحابہ کرام) لائق صد احترام ہیں۔ ان کی محبت کے بغیر مسلمانی کا دعویٰ غلط ہے۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آل اطہار و صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی محبت میں سرشار رکھے اور اسی حالت میں دنیا سے لے جائے اور روز قیامت ان سے غلامی کی صفت میں محشور فرماتے ہیں امین! آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اہل سنت کے عقائد کے مطابق اس موضوع پر جو کتاب لکھی گئی ہے وہ ہے "سوانح کربلا" مصنف۔ صدر الافاضل حضرت سید محمد نعیم الدین مرادآبادی۔

قارئین کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

کیا آپ سکون کے متلاشی ہیں؟

اچھی کتابوں کا مطالعہ
سکون قلب بخشتا ہے!
اگر آپ خود نہیں آسکتے
تو
ہمیں آج ہی لکھیے
ہم آپ کو گھر بیٹھے بٹھلائے
کتب فراہم کریں گے،

بلند پایہ
علمی ادبی و اسلامی کتب
شائع کرنیوالے

نوری کتب خانہ

بازار حضرت داتا صاحب رح
لاہور

دیگر مطبوعات

نماز حنفی مدلّل

علامہ نسیم البستوی،
۴ ر روپے

سچی حکایات

حصہ اوّل
۱۲ ر روپے

کتاب الحج

اعلیٰ حضرت بریلوی
۵/۲۵ روپے

زیر طبع
مجموعہ نعت، منزل مراد
بارہ واعظ،

نوری کتابیں

نماز حنفی
ترتیب علامہ نسیم البستوی

سچی حکایات
سید محمد عثمان پیرزادہ

یزیدیت تاریخ کے آئینہ میں
ابو النصر قدسی

کشف المحجوب
داتا گنج بخش رح

شمع شبستان رضا
اقبال احمد نوری

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ
علامہ نور بخش توکلی

تذکرہ غوثیہ
شاہ گل حسن قادری

شرح قصیدہ غوثیہ
نواب عبد المالک

بارہ تقاریر و مواعظ کا مجموعہ

بارہ تقریریں
مولانا محمد شریف نوری

تاریخ مناظرہ بہاولپور
علامہ غلام دستگیر قصوری

فتوح الغیب
سیدنا غوث اعظم

تاریخ مدینہ
عبد الحق محدث رح

نوری کتب خانہ داتا صاحب لاہور